مَن یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیراً یُفَقِّھْہُ فِی الدِّین

فقہی ضوابط

تشریحات، تفریعات، تمثیلات

تالیف

مفتی اسامہ پالن پوری ڈیڈ رولوی

خادم الافتاء والحدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

حصہ اول

نظرِ ثانی

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

مکتبہ حجاز دیوبند

من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين

فقہی ضوابط

تشریحات، تفریعات، تمثیلات

جلد اوّل

تالیف

مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈرولوی)

خادم الافتاء والحدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

نظر ثانی

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

نام کتاب : فقہی ضوابط (تشریحات، تفریعات، تمثیلات)
تالیف : مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈر ولوی)
خادم الافتاء والحدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور
نظر ثانی : حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند
طباعت : محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۰ء
باہتمام : قاسم احمد پالن پوری
سیٹنگ : حسن احمد پالن پوری فاضل دار العلوم دیوبند
ناشر : مکتبہ حجاز دیوبند 08057938505
مطبوعہ : ایچ۔ایس۔آفسیٹ پرنٹرس، دریا گنج نئی دہلی

ملنے کے پتے

MAKTABA HIJAZ
Urdo Bazar Jama Masjid Deoband
247554 (U.P.) India M.09997866990

گجرات میں ملنے کا پتہ: مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈر ولوی)
دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور۔ 09979993070

فہرست مضامین

مضامین | صفحہ

کتاب الجنائز ۱۰۳

شجرات

حوالجات شجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از: مفسر جلیل، محدث کبیر، فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

(صدر مدرس و شیخ الحدیث ازہر ہند دار العلوم دیوبند)

الحمد لله رب العلمين، والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين، وعلى آله وصحبه اجمعين، امابعد: قواعد، اور اصول: تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں، اور ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اگر چہ محققین نے ان میں فرق بیان کیا ہے، مگر عرف عام میں اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ مصادر فقہیہ اور کتب قواعد کے مطالعہ سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

قاعدہ اور ضابطہ: وہ امر کلی ہے جس پر جزئیات منطبق ہوتی ہیں: یا تو جزئیات امر کلی سے متفرع ہوتی ہیں، یا اس کی طرف سمٹ جاتی ہیں، اور دونوں باتیں مفید ہیں۔ جزئیات کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے تو ان کا یاد رکھنا آسان ہوتا ہے، اور امر کلی اگر یاد ہو تو جزئیات کو اس کی طرف آسانی سے لوٹایا جا سکتا ہے۔

قواعد و ضوابط اور اشباہ و نظائر پر عربی میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، مگر اردو کا دامن ابھی خالی ہے۔ علاوہ ازیں: بہت سے ضوابط کتب فقہ میں منتشر ہیں، ان کا احاطہ ابھی نہیں کیا گیا، فقہ کی تعلیم کے وقت وہ زیر بحث آتے ہیں، اور ان سے مسائل کی تفہیم آسان

ہو جاتی ہے۔

قواعد وضوابط کے دو بڑے فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: آدمی جزئیات کے لئے دلائل تلاش کرنے سے مستغنی ہو جاتا ہے، کیوں کہ جب اصل کلی دلیل شرعی سے ثابت ہو جاتی ہے تو جزئیات کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

دوسرا فائدہ: جب کوئی عالم اصول پر حاوی ہو جاتا ہے تو اس کے لئے مسائل کا جواب دینا آسان ہو جاتا ہے۔ مجھے ایک واقعہ یاد ہے: جب میں دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا طالب علم تھا تو میں نے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ کی تاریخ بغداد کے اس باب کا مطالعہ شروع کیا، جس میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ پر اعتراضات ہیں۔ اس میں ایک روایت ہے کہ شام سے امام صاحب کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا: میں آپ سے ایک ہزار مسئلے پوچھنے آیا ہوں، امام صاحب نے فرمایا: پوچھو! روایت پوری ہوئی، میرے سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا اعتراض ہوا۔ میں کتاب لے کر حضرت الاستاذ مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ کے پاس گیا، اور پوچھا کہ خطیب صاحب اس روایت سے کیا اعتراض کرنا چاہتے ہیں؟ مفتی صاحب نے فرمایا: اعتراض یہ ہے کہ امام صاحب کا ہزار مسئلوں کا جواب دینے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں! وہ ہر مسئلہ کا جواب اپنے قیاس (رائے) سے دیں گے۔ میں نے کہا: یہ تو بہت بڑا اعتراض ہو، اس کا جواب کیا ہے؟ مفتی صاحب نے فرمایا: جب آدمی کو اصول محفوظ ہو جاتے ہیں تو فروعات کا جواب دینا آسان ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کیا ضروری ہے کہ امام صاحب ہر مسئلہ کا جواب دے ہی دیں! میں نہیں جانتا: یہ بھی تو ایک جواب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ سے ایک ہی مجلس میں چالیس مسئلے پوچھے گئے تھے، آپ نے سب کا جواب یہی دیا کہ میں نہیں جانتا!

غرض: جس طرح قواعد وضابطہ اور اشباہ ونظائر سے اردو کا دامن خالی ہے، فقہ میں

منتشر ضوابط کو بھی کسی نے جمع نہیں کیا، کیوں کہ یہ البیلا اور اچھوتا موضوع ہے۔
ہمارے مفتی اسامہ صاحب زید مجدہ کا ذہن اس موضوع کی طرف کیسے متوجہ ہوا اس کی تفصیل "حرف گفتنی" میں ہے، اور چونکہ مفتی صاحب کے سامنے اردو میں کچھ مواد نہیں تھا اس لئے ان کو بہت جاں کاہی کرنی پڑی۔ انہوں نے براہ راست عربی مصادر کا مطالعہ کیا، اور ان سے یہ قیمتی ہیرے چن لائے، میں نے یہ کتاب بالاستیعاب پڑھی ہے، مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی بڑی فروگذاشت نہیں ہوگی۔

یہ کتاب طلبہ کے لئے تو مفید ہے ہی، اساتذہ کے لئے بھی مفید ہے، اگر اساتذہ اس کا مطالعہ کریں تو ان کی فقہ کی تعلیم میں چار چاند لگ جائیں گے، اور ان کے لئے بکھری ہوئی جزئیات کو ایک لڑی میں پرو کر پیش کرنا آسان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول کریں اور مفتی صاحب کو اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

حررہ:

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

۱۲/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
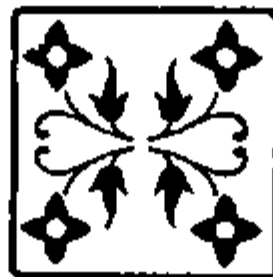
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند قدوس کا بے پایاں شکر ہے کہ اس نے مجھ بے بضاعت کو یہ توفیق مرحمت فرمائی کہ فقہ اسلامی کے بحر ذخار میں غوطہ زنی کروں اور کچھ قیمتی باتیں تشنگان علوم کے سامنے پیش کروں۔

دراصل اس کتاب کے لکھنے کا پس منظر یہ ہوا کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے رسمی فراغت وتکمیل افتاء کے بعد احقر کو گجرات کے ایک مشہور ادارہ: ''دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور'' میں بفضلہ تعالیٰ درس وتدریس کا موقع ملا، ادارہ کے مشفق مہتمم حضرت مولانا موسیٰ صاحب زید مجدہم نے دارالافتاء کی ذمہ داری احقر کے سپرد کی، اس مہتم بالشان کام کو اپنی سعادت سمجھ کر میں نے قبول کرلیا، اگرچہ علمی کم مائیگی اور کام کی نزاکت قبول کرنے کے لئے مانع تھی، مگر یہ بات سامنے تھی کہ جب کوئی کام بغیر کسی طلب کے من جانب اللہ سپرد ہو تو اس میں نصرت خداوندی شامل ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس بہانے بحث ومطالعہ اور فقہ اسلامی کے بحر ناپیدا کنار میں غوطہ زنی کا موقع میسر آیا، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَشَاءُ۔

پھر درس وتدریس میں فقہ حنفی کی مستند کتابیں شرح الوقایہ، ہدایہ وغیرہ پڑھانے کا موقع ملا، چنانچہ طالبان علم فقہ کے احوال وکوائف اور ان کے اذہان کا لحاظ کرکے احقر نے ایک مختصر سا کتابچہ وضو کے باب میں تیار کیا اور محبوبی ومربی حضرت الاستاذ مولانا مفتی

سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) کے سامنے پیش کیا، حضرت والا نے دیکھ کر بہت پسند کیا اور حوصلہ افزائی فرمائی اور ضروری رہنمائی کی اب کیا تھا عقابی روح بیدار ہوگئی اور تن بدن میں جان پڑ گئی اور کام آگے بڑھتا رہا۔

دوسری طرف کچھ ہی عرصہ بعد ادارہ کی جانب سے ایک ماہنامہ (گجراتی وانگریزی میں) "صدائے مرکز" کے نام سے نکلنا شروع ہوا جس میں احقر کی جانب سے فقہ کے مسائل بالترتیب (اور بوقت ضرورت بلاترتیب) "پوزیچھ درشن" کے عنوان کے تحت ہر ماہ نکلتے رہے (جو تاہنوز جاری ہیں) ان مسائل کو قارئین نے بحمدہ تعالی بہت پسند کیا چنانچہ کئی احباب نے زبانی وتحریری تحسین کی، پس اس طرح کے کئی اسباب ودواعی جمع ہوگئے اور ترتیب مسائل کا کام آگے بڑھتا رہا۔

پھر کچھ عرصہ بعد احقر کے ذہن میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ فقہ کے جزئیات وفروعات کو باب درباب اور فصل درفصل ضوابط کی قیمتی لڑیوں میں پرو دیا جائے جس سے فقہ کی منتشر اور بکھری ہوئی جزئیات کا یاد کرنا سہل اور مختصر وقت میں ان پر قابو پانا آسان ہو جائے۔ احقر کے علم میں اس طرح کی اب تک کوئی کتاب مکاتیب علمیہ میں نہیں ہے، عربی میں قواعد الفقہ اگر چہ موجود ہے (اور اس کی افادیت کا انکار نہیں) لیکن اس میں اولاً عبادات سے متعلق قواعد بہت ہی قلیل مقدار میں ہیں، زیادہ تر معاملات سے متعلق قواعد ہیں، پھر وہ قواعد بھی منتہی اور اعلی ذہن رکھنے والوں کے لئے ہیں، کیوں کہ وہ عمومی قواعد ہیں، مثلاً: إنما الأعمال بالنيات؛ اليقين لايزول بالشك وغیرہ...... جن کا تعلق مختلف ابواب فقہیہ سے ہے۔ جبکہ احقر کا منشا یہ ہے کہ ہر باب وفصل کے تحت مخصوص ضوابط (جن میں زیادہ عموم نہ ہو) بالترتیب بیان کئے جائیں، پھر اس کے نیچے اہم تفریعات وتمثیلات ذکر کی جائیں اور جہاں ضابطہ میں تشریح کی ضرورت ہو وہاں تشریح بھی کی جائے، نیز اگر ضابطہ سے کوئی بات مستثنی ہو تو اس کی بھی وضاحت کردی جائے، چنانچہ احقر نے خدا کا نام لے کر اس انداز کا کام شروع کیا اور بحمد اللہ جلد اول کا

کام تمام ہوا، احقر اس میں کتنا کامیاب ہوا ہے اس کا فیصلہ قارئین کرام کریں گے۔

ضابطہ: لغت میں قاعدہ، قانون اور اصل کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں ضابطہ اس کلی کو کہتے ہیں جو ایک باب کی چند جزئیات پر منطبق ہو۔ جبکہ قاعدہ کا تعلق مختلف ابواب کی جزئیات سے ہوتا ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: القاعدة تجمع فروعا من أبواب شتى والضابط يجمعها من باب واحد (الاشباہ والنظائر: ۱/۱۹۲) کتاب میں ضابطہ اپنے اصطلاحی معنی میں ہے، لیکن کہیں بمعنی قاعدہ (بلحاظ لغت وعرف) بھی استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن خیال رہے کہ ضابطہ یا قاعدہ سے منطق کا قاعدہ کلیہ مراد نہیں، جس سے کوئی جزئی مستثنیٰ نہیں ہوتی، بلکہ بہت سی جگہ قاعدہ اکثری مراد ہے (کوئی جزئی مستثنیٰ ہوتی ہے تو اس کو بیان کر دیا گیا ہے)

پھر کتاب میں چونکہ مقصود ضوابط کی صورت میں مسائل کا احاطہ کرنا ہے، اس لئے اس میں بہت سے ضوابط مستنبط بھی ہیں، جن میں بالقصد کچھ توسع سے کام لیا گیا ہے چنانچہ ضابطہ بنانے میں یہ پیش نظر رہا ہے کہ بعض جگہ فعل میں عموم کیا گیا ہے (مثلاً ہر وہ کلام جو کلام الناس سے ہو نماز کو فاسد کر دیتا ہے) اور بعض جگہ فاعل میں عموم کیا گیا ہے (مثلاً ہر ایسے شخص کو جس کی مسجد کی حاضری سے لوگوں کو تکلیف ہو جماعت کی نماز میں آنا جائز نہیں) اور کہیں مفعول میں تعمیم کی گئی ہے (مثلاً ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب ہے اور جو کراہت تنزیہی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ مستحب ہے) اور کبھی ضابطہ شرط کے درجہ میں ہوتا ہے، لیکن اس کے تحت چونکہ بہت سی فروعات ہوتی ہیں، اس لئے اس کو ضابطہ کی صورت دی گئی ہے (مثلاً امام اور مقتدی کا مکان (نماز پڑھنے کی جگہ) حقیقتاً یا حکماً ایک ہونا ضروری ہے) اور بعض جگہ مسئلہ کے کئی رخ ہوتے ہیں تو کسی ایک رخ کو متعین کرنے کے لئے بھی ضابطہ کی شکل دی گئی ہے (مثلاً نیت کا اصل مدار دل پر ہے زبان پر نہیں) بلکہ بعض جگہ کوئی عبارت اول نظر میں مسئلہ کی صورت میں دکھائی دیتی ہے، لیکن چونکہ وہ مسئلہ ایک دو

جزئیات پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس کو ضابطہ میں ڈھالا گیا ہے (مثلاً نماز میں اپنا ستر دوسروں سے چھپانا تو فرض ہے مگر اپنے آپ سے چھپانا فرض نہیں) ایسے وقت میں ضابطہ کے مصدری معنی: "ضبط کرنے والی چیز" پیش نظر رکھے گئے ہے۔ اگر قارئین کرام ان چیزوں کو مدنظر رکھیں گے تو امید ہے ان شاء اللہ کوئی اشکال نہ ہوگا۔

ان سب کے باوجود اپنی علمی تہی دامنی اور کم فہمی کا اعتراف ہے، ممکن ہے کہیں ضوابط میں جھول رہا ہو، کیونکہ یہ کام جس قدر مشکل ودقیق ہے (جیسا کہ اہل فن جانتے ہیں) پھر اس کو انجام دینے والا ایک مبتدی ہے اس لئے کچھ تسامحات کا ہو جانا ممکن ہے لیکن باحوصلہ قارئین سے امید ہے کہ جہاں تک تعبیرات کا حسن، طرز تحریر، ادب وانشاء اور ضوابط کی ساخت وغیرہ کی بات ہے تو یہ کہہ کر چشم پوشی کرلیں گے کہ:

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا ❁ غواص کو مطلب ہے گہر سے نہ کہ صدف سے

ہاں! اگر مسائل میں کوئی نقص یا غلطی محسوس فرمائیں، تو احقر کو ضرور آگاہ فرمادیں، آپ کا بے حد مشکور وممنون ہوں گا، تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

نیز احقر نے مزید فائدے کی خاطر کتاب میں اہم مسائل کے کچھ شجرات (نقشے) بھی دیئے ہیں (جو کتاب کے اخیر میں ہیں) کیوں کہ جس طرح ضوابط سے مسائل کا سمجھنا کم وقت اور آسانی سے ہو جاتا ہے شجرات ونقشہ جات سے بھی یہ مقصد بہت حد تک حاصل ہوتا ہے اور آخر میں مسائل شجرات کے حوالے بھی نقل کئے ہیں بلکہ کتاب کے ہراہم مسئلہ کا حوالہ اس کی جگہ پر بیان کیا گیا ہے تاکہ اہل علم کے لئے مراجعت میں سہولت ہو۔

الغرض اس کتاب میں طہارت سے لے کر کتاب النکاح تک ان ضوابط کو جمع کیا گیا ہے جو من کل الوجوہ یا من وجہ عبادات سے تعلق رکھتے ہیں، اس کی تسوید وتبییض اور مسائل کی تحقیق وتنقیح میں بڑی جاں کاہی اور دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے، کئی مرتبہ مسودہ تیار کر کے بدلا گیا، پیش نظر یہ تھا کہ ایسے طرز پر کتاب لکھی جائے جو محقق ومعتمد

ہونے کے ساتھ مفید بھی ہو اور قارئین کے لئے دل چسپی کا باعث بھی۔ امید ہے کہ یہ کتاب ان شاء اللہ شائقین کے لئے ایک قیمتی سوغات ہوگی۔

اس کتاب کی تیاری میں جن احباب نے تعاون کیا ہے احقر ان کا تہہ دل سے شکر گذار ہے، جہاں تک مربی و مشفق حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی کی شفقتوں، عنایتوں، علمی وفکری رہنمائیوں، اصول تصنیف کی نشاندہی اور ہر مشکل موقع پر ہمت افزائی کا تعلق ہے وہ بیان سے باہر ہے، اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ تصنیف درحقیقت حضرت والا ہی کی ہے اور میری حیثیت صرف ایک محرر کی ہے، احقر ان کا رسمی شکریہ ادا کر کے دل میں موجزن بے پناہ جذبات کی توہین نہیں کرنا چاہتا، حقیقت یہ ہے کہ:

لو انّنی اوتیتُ کلّ بلاغۃٍ ❁ وأفنیتُ بَحْرَ النُطقِ فی النَظمِ والنثرِ
لما کنتُ بعد الکلّ إلاّ مقصّرا ❁ ومُعترفا بالعجز عن واجب الشکرِ

اخیر میں اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اس ناکارہ اور اس کے اساتذہ اور اس کے والدین کے لئے ذریعہ آخرت بنائیں (آمین)

ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم.

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

بندہ
اسامہ غفرلہٗ
خادم الافتاء والحدیث
دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور، گجرات
۱۵/ ذی القعدۃ ۱۴۳۱ھ

❁ ❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الطہارات

استنجاء کا بیان

۱- **ضابطہ:** ہر پاک چیز جس میں نجاست صاف کرنے کی صلاحیت ہو اور قیمتی یا محترم نہ ہو اس سے استنجاء بلا کراہت درست ہے (اس کے علاوہ باقی چیزوں سے استنجاء یا تو درست نہیں یا مکروہ ہے)(۱)

تشریح: پس ڈھیلا، ریت، لکڑی، دھجی (پرانا کپڑا) چیڑے وغیرہ سے استنجاء بلاکراہت درست ہے۔

اور ناپاک چیز (مثلاً لید گوبر وغیرہ) سے استنجاء درست نہیں۔

اور پاک چیز جس میں نجاست صاف کرنے کی پوری صلاحیت نہ ہو اس سے استنجاء مکروہ ہے، جیسے ٹھیکری، شیشہ، کوئلہ، اور چکنے پتھر وغیرہ سے استنجاء مکروہ ہے۔

اور جو چیز قیمتی ہو یا شرعاً قابل احترام ہو اس سے استنجاء مکروہ تحریمی ہے، جیسے قیمتی کپڑا، روٹی، ہڈی، گھاس، کاغذ، وغیرہ سے استنجاء مکروہ تحریمی ہے(۲)۔

ملحوظہ: کاغذ سے مراد لکھا ہوا کاغذ ہے، خواہ کسی بھی زبان میں لکھا ہوا ہو، اگر لکھا ہوا نہ ہو مگر قابل تحریر ہو یعنی اس پر لکھا جا سکتا ہو تو بھی یہی حکم ہے، کیوں کہ وہ علم کا ذریعہ

---

(۱)(مستفاد هندیه :۱/۵۰، شامی : ۱/۵۵۱)(۲) (وكره تحريما بعظم ..وشیء محترم الخ (الدر المختار علی هامش ردالمحتار:۱/۵۵۲)

ہونے کی وجہ سے قابل احترام ہے البتہ ایسا کاغذ جس پر لکھائی نہ ہو سکے اور وہ خاص استنجاء کے مقصد کے لئے بنایا گیا ہو جیسے ٹوئیلیٹ پیپر تو اس سے استنجاء بلا کراہت درست ہے[۱]۔

۲- **ضابطہ:** ہر وہ تدبیر جو پیشاب کے بعد پیشاب کے قطرات کو نکالنے کے لئے کی جائے جس سے نجاست پوری طرح زائل ہونے کا اطمینان ہو جائے واجب ہے[۲]۔

تشریح: اس تدبیر کو فقہا کی اصطلاح میں ''استبراء'' کہتے ہے، اور وہ لوگوں کی طبیعت کے اختلاف کے باعث مختلف ہوتی ہے، جیسے کھانسنا، چند قدم چلنا، ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر لپیٹنا اور زور دینا، رگوں کو سونتنا (اس طرح کہ خصیے کے نیچے ہاتھ رکھ کر فوطوں کو اوپر کی جانب لے جانا اور عضو تناسل کو حرکت دینا) وغیرہ......

غرض دل کا اطمینان مقصود ہے خواہ کسی طرح سے کرلے اور جب تک اطمینان نہ ہو استبراء واجب ہے۔ اور جب یہ یقین ہو جائے کہ وہ تمام نجاست جو سوراخ میں تھی نکل گئی تو استنجاء ہو گیا[۳]۔

اور یہ استبراء کا وجوب مردوں کے لئے ہے، عورت فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر توقف کرے پھر استنجاء کرلے[۴]۔

---

(۱) وأما الورق الذی لایصلح للکتابة فإنه یجوز به الاستجمار بدون الکراھة۔ (کتاب الفقه:۱/۹۱) (۲) ھندیہ:۱/۴۹۔

(۳) والصحیح أن طبائع الناس مختلفة فمتی وقع فی قلبه أنه تم استفراغ مافی السبیل یستنجی۔ (ھندیہ:۱/۴۹، الدر المختار علی ھامش ردالمحتار:۱/ ۵۵۸، مراقی الفلاح:۴۳)

(۴) وفیھا أن المرءة کالرجل إلا فی الاستبراء فإنه لااستبراء علیھا بل کما فرغت تصبر ساعة لطیفة ثم تستنجی۔ (شامی:۱/۵۵۸)

۳-**ضابطہ:** ہر ایسی جگہ پر قضائے حاجت کرنا جس سے انسانوں کو یا دوسرے جانداروں کو تکلیف پہنچے مکروہ ہے[۱]۔

جیسے لوگوں کی یا جانوروں کی بیٹھنے کی جگہ میں یا راستہ میں پیشاب و پاخانہ کرنا مکروہ ہے۔اسی طرح جاری پانی، یا رکے ہوئے پانی، یا تالاب، یا چشمے، یا اس کے علاوہ پانی کی جگہ میں قضائے حاجت کرنا مکروہ ہے (جاری پانی میں مکروہ تنزیہی ہے، رکے ہوئے کثیر پانی میں مکروہ تحریمی ہے اور قلیل پانی میں حرام ہے[۲]۔

اسی طرح چوہے، سانپ اور چیونٹی وغیرہ کے بل میں پیشاب کرنا مکروہ ہے کہ اس سے حشرات الارض کو تکلیف ہوگی اور ممکن ہے خود انسان کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے کہ بل میں سے کوئی چیز نکل کر اس کو ڈس لے۔

پانی کا بیان

۴-**ضابطہ:** پرندے کی بیٹ سے ٹنکی اور کنویں کا پانی ناپاک نہ ہوگا،مگر یہ کہ نجاست کا اثر پانی میں ظاہر ہو جائے[۳]۔

۵-**ضابطہ:** وہ جانور جس میں بہتا ہوا خون ہو اس کا کوئی عضو کٹ کر تھوڑے پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا[۴]۔

---

(۱)(مستفاد حاشیۃ الطحطاوی:۵۳)

(۲)وفی البحر:أنها فی الراکد تحریمة وفی الجاری تنزیهة(الدر المختار علی هامش ردالمحتار:۱/۵۵۳)

(۳)ولا نزح فی بول فارة فی الاصح .فیض .ولا بخرء حمام و عصفور وکذا سباع طیر فی الاصح لتعذر صونها عنه (الدر المختار علی هامش ردالمحتار:۱/۳۷۹)

(۴)لو وقع ذنب فارة ینزح الماء کله(شامی:۱/۳۶۶،فصل فی البئر)

جیسے چوہے، یا بڑی چھپکلی (جس میں بہتا خون ہوتا ہے) کی دم کٹ کر ٹنکی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا (مگر یہ کہ ٹنکی حوض کی طرح دہ دردہ ہو تو پھر پانی ناپاک نہ ہوگا)

۶- **ضابطہ**: جس چیز کا ناپاک ہونا معلوم نہ ہو اگر وہ تھوڑے پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا، کیوں کہ چیزوں میں اصل پاک ہونا ہے[(۱)]۔

۷- **ضابطہ**: خنزیر کے علاوہ ہر جانور کے بال پاک ہیں خواہ جانور زندہ ہو یا مردہ[(۲)]۔

تفریع: پس بالوں کے پانی میں گرنے سے پانی ناپاک نہ ہوگا اور پاک پانی سے بھیگے ہوئے کتے وغیرہ کے چھو جانے سے نجاست نہ آئے گی۔

البتہ اگر بال اکھاڑا جائے تو اس میں جو سفید چکنائی نظر آتی ہے وہ ناپاک ہے، اگر وہ چکنائی کل ملا کر ناخن کے بقدر ہو جائے تو اس سے ماء قلیل ناپاک ہو جائے گا[(۳)]۔

۸- **ضابطہ**: پانی خوشبودار ہو جانے سے ماء مطلق سے خارج نہیں ہوتا[(۴)]۔

پس کیوڑہ، گلاب وغیرہ ملے ہوئے خوشبودار پانی سے وضو غسل جائز ہے۔

۹- **ضابطہ**: حادث کی اضافت قریب کی طرف کی جاتی ہے[(۵)]۔

جیسے کسی برتن سے لوٹے کے ذریعہ پانی لیا اور لوٹے میں نجاست نظر آئی اور کچھ معلوم نہیں کہ یہ نجاست اسی برتن میں تھی، یا ٹنکی میں سے آئی ہے جس سے اس برتن کو بھرا گیا ہے، یا کنویں میں سے آئی ہے جس سے ٹنکی کو بھرا گیا ہے تو اس صورت میں قریب کی طرف یعنی برتن کی طرف نجاست کو منسوب کریں گے اور اس کا پانی ناپاک ہو

---

(۱) (امداد الفتاوی: ۱/۶۰) (۲) (مستفاد الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱/۳۵۹)

(۳) أما المنتوف فنجس، بحر. والمراد رؤوسه اللتي فيها الدسومة...... إن ما خرج من الجلد مع الشعر إن لم يبلغ مقدار الظفر لايفسد الماء (شامی: ۱/۳۵۹)

(۴) (امداد الفتاوی: ۱/۶۰) (۵) (الاشباہ والنظائر: ۸۴)

کا شکی یا کنویں کے پانی کو ناپاک نہیں کہیں گے، جب تک اس کا کوئی ثبوت نہ ہو۔

۱۰- **ضابطہ:** جاری پانی نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا، جب تک نجاست اس پر غالب نہ آجائے[۱]۔

تفریع: پس بارش کا پانی جو نجاست کے ساتھ بہ کر آئے وہ پانی پاک ہے (بشرطیکہ نجاست کے اوصاف ثلاثہ (رنگ، بو، مزہ) میں سے کوئی وصف پانی میں ظاہر نہ ہو)

۱۱- **ضابطہ:** گھروں میں رہنے والے غیر ماکول اللحم جانور (مثلاً بلی، چوہا، سانپ وغیرہ) کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے[۲]۔

البتہ اس ضابطہ سے کتا اور گدھا مستثنیٰ ہیں، کتے کا جھوٹا پانی قطعاً ناپاک ہے اور گدھے کا جھوٹا پانی مشکوک ہے یعنی اس کے پاک کرنے والا ہونے میں شک ہے (نہ کہ اس کے پاک ہونے میں)[۳]

تفریع: پس اگر یہ گھریلو جانور قلیل پانی میں گر جائیں اور ان کو زندہ نکال لیا جائے تو اس پانی کا حکم وہی ہوگا جو ان کے جھوٹے کا ہے (بشرطیکہ ان کے جسم پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو ورنہ سارا پانی ناپاک ہو جائے گا)[۴]

۱۲- **ضابطہ:** شکاری پرندے یعنی وہ پرندے جو اپنے پنجوں سے شکار کرتے ہیں جیسے شکرہ، باز، شاہین وغیرہ یا جن پرندوں کا گوشت نہیں کھایا جاتا مثلاً چیل وغیرہ ان کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے، ان کے علاوہ باقی پرندوں کا جھوٹا بلا کراہت پاک ہے[۵]۔

---

(۱) وإذا ألقي في الماء الجاري شيء نجس كالجيفة والخمر لا يتنجس مالم يتغير لونه أو طعمه أو ريحه، كذا في منية المصلي (ہندیہ: ۱/۱۷)

(۲) وسؤر حشرات البيت كالحية والفأرة والسنور مكروه كراهية تنزيه هو الاصح (ہندیہ: ۱/۲۴) (۳) مشكوك في طهوريته لا في طهارته. هذا هو الأصح وهو قول الجمهور (درمختار و شامی: ۱/۳۸۷) (۴) (شامی: ۱/۳۸۷)

(۵) و (سؤر) سباع الطير...... مكروه تنزيهاً (درمختار ۱/۳۸۳-۳۸۴) وكذا سؤر ←

۱۳-**ضابطہ**: ہر درندہ کا جھوٹا ناپاک ہے[1]۔

تفریع: پس ہاتھی کے سونڈھ کا پانی ناپاک ہے۔ اسی طرح بندر نے اگر ٹنکی میں منھ ڈال کر پانی پی لیا تو پورا پانی ناپاک ہوگیا، کیوں کہ ہاتھی و بندر کا شمار درندوں میں ہے۔

وضو کا بیان

۱۴-**ضابطہ**: پیشانی کو عام طور پر بالوں کے اگنے کی معروف جگہ تک دھونا فرض ہے، خواہ وہاں بال اُگے ہوں یا نہ اُگے ہوں[2]۔

تشریح: پس اگر کسی کی پیشانی پر بال اگ آئے ہوں تو ان کا دھونا فرض ہے، وہ حصہ چہرہ میں داخل ہے —— اور اگر کسی کے سر کے آگے کا حصہ گنجا ہو تو اس حصہ کا دھونا فرض نہیں، وہ حصہ سر میں داخل ہے، اس پر مسح کرنا جائز ہے[3]۔

۱۵-**ضابطہ**: اعضائے وضو میں پیدا ہونے والے ہر زائد عضو (مثلاً انگلی، ہاتھ وغیرہ) کا دھونا فرض ہے، خواہ وہ اصل عضو کے ساتھ ملا ہوا ہو یا مستقل ہو اور خواہ وہ قوت اور کسی چیز کے پکڑنے کے اعتبار سے اصل عضو کی طرح ہو یا نہ ہو[4]۔

۱۶-**ضابطہ**: چہرے کی حد میں اگنے والے سب بالوں کا حکم وضو میں ڈاڑھی کی طرح ہے[5]۔

تشریح: پس مونچھوں، ابروں اور بچہ ریش کا حکم دھونے میں ڈاڑھی کے مثل ہے،

← مالا یؤکل لحمہ طاہر مکروہ استحساناً (ھندیہ:۱/۲۴، ومراقی الفلاح، ص:۳۲)

(۱) (شامی:۱/۳۸۲) (۲) (مستفاد الدر المختار علی ھامش رد المحتار:۱/۲۱۰)

(۳) (ھندیہ:۱/۴، تاتارخانیہ:۱/۹۲) (۴) ویجب غسل کل ما کان مرکباً علی أعضاء الوضوء من الإصبع الزائدۃ والکف الزائدۃ (ھندیہ:۱/۴، تاتارخانیہ:۱/۹۰)

(۵) (مستفاد شامی:۱/۲۱۶)

یعنی اگر گنجان ہوں تو صرف ظاہری حصہ کا دھونا کافی ہے، کھال تک پانی پہنچانا ضروری نہیں، اور اگر گنجان نہ ہوں بلکہ نیچے کی کھال نظر آتی ہو تو کھال تک پانی پہنچانا فرض ہے ورنہ وضو نہ ہوگا[۱]۔

۱۷- **ضابطہ**: ماءِ مطلق کا استعمال غسل (دھونا) و مسح دونوں میں ضروری ہے۔[۲]

تفریع: پس اگر کسی نے سر میں خضاب یا مہندی لگائی، پھر اسی حالت میں مسح کیا تو اگر ہاتھ کی تری خضاب یا مہندی کے ساتھ مل کر رنگین ہوگئی اور مطلق پانی کے حکم سے نکل گئی تو مسح جائز نہ ہوگا۔[۳]

۱۸- **ضابطہ**: وضو و غسل میں تقاطر (یعنی اس طرح دھونا کہ کچھ قطرے ٹپک جائیں) شرط ہے۔[۴]

تفریع: پس اگر وضو یا غسل کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی حصہ خشک رہ گیا ہے تو اس جگہ فقط تر ہاتھ پھیر لینا کافی نہ ہوگا، بلکہ اس حصہ کا باقاعدہ دھونا ضروری ہے (البتہ نیا وضو لازم نہیں)[۵]

۱۹- **ضابطہ**: وضو کے بعد اعضائے وضو سے کسی بھی جزء کے نکالنے یا اکھاڑنے سے اس جگہ کا دھونا ضروری نہیں۔[۶]

تشریح: پس وضو کے بعد زخم کا چھلکا یا بدن کی کوئی کھال اتار دی؛ یا ناخن تراشے؛

---

(۱) یجب غسل بشرة لم یسترها الشعر کحاجب وشارب وعنفقة فی المختار (درمختار) وفی الشامیة: أما المستور فساقط غسلها للحرج (شامی: ۱/۲۱۶)

(۲) (ھندیہ: ۱/۶) (۳) فاحفظه وإن کان علی رأسها خضاب فمسحت علی الخضاب إذا اختلطت البلة بالخضاب وخرجت عن حکم الماء لایجوز المسح (ھندیہ: ۱/۶، تاتارخانیہ: ۱/۹۲) (۴) (شامی: ۱/۲۰۸)

(۵) وصح نقل بلة عضو إلی عضو آخر فیه بشرط التقاطر...... الخ (الدر المختار علی ھامش ردالمحتار: ۱/۲۹۵، ھندیہ: ۱/۵) (۶) (الدر المختار ۱/۲۱۶)

یا بال کاٹے؛ تو اس کے نیچے کی جگہ کا دھونا فرض نہیں (جیسے وضو کے بعد سر کے بال منڈوانے سے دوبارہ مسح ضروری نہیں (۱))

۲۰- **ضابطہ:** وضو خواہ کسی مقصد کے لئے کیا جائے اس سے نماز درست ہے (۲)

تشریح: پس تلاوت کے لئے یا قرآن کو چھونے لئے یا کوئی اور کام کرنے کے لئے وضو کیا تو اس وضو سے نماز جائز ہے۔

۲۱- **ضابطہ:** بدن پر لگی ہوئی ہر وہ چیز جو کھال تک پانی پہنچنے میں مانع ہو اس کا چھڑانا وضو و غسل میں ضروری ہے۔ مگر یہ کہ چھڑانے میں حرج ہو یا علاج کے طور پر اس کو لگایا ہو۔ (۳)

تفریعات:

(۱) پس مچھلی کی کھال (چھلکا) یا پیاز یا لہسن کا چھلکا یا روٹی یا اس کے مانند کوئی چیز بدن پر لگی ہو تو وضو جائز نہ ہوگا، کیوں کہ اس کے نیچے پانی نہیں پہنچتا، نیز اس سے احتراز ممکن ہے اور اس کے نکالنے میں حرج و مشقت بھی نہیں۔ (۴)

(۲) کسی کے ناخن بڑھے ہوئے ہوں جن میں میل یا گوندھا ہوا آٹا جم گیا ہو، یا کوئی شخص مٹی کا کام کرتا ہے، یا کوئی عورت مہندی میں انگلیاں رنگے، یا کوئی شخص چمڑے کو پکا کر صاف کرتا ہو یا چھیلتا ہو یا رنگ ریز ہو اور ان سب کے ناخنوں میں مہندی یا چمڑے یا رنگ کا جرم جمارہے تو ان سب کا وضو جائز ہے، یہی صحیح قول ہے اور اسی پر فتویٰ

---

(۱) وكذا لو كان على أعضاء وضوئه قرحة كالدملة وعليها جلدة رقيقة فتوضأ وأمرّ الماء عليها ثم نزعها لايلزم اعادة غسل على ماتحتها (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۲۱۶/۱، تاتارخانیہ: ۹۵/۱) (۲) (البحر: ۵۲/۱)

(۳) (مستفاد ھندیہ: ۴/۱، البحر: ۲۹/۱، تاتارخانیہ: ۹۵/۱)

(۴) ولو كان جلد سمك أو خبز ممضوغ قد جف فتوضأ ولم يصل الماء إلى ماتحته لم يجز لأن التحرز عنه ممكن (تاتارخانیہ: ۹۵/۱)

ہے، کیوں کہ ان چیزوں سے بچنے میں ان کے لئے حرج ومشقت ہے۔ (۱)

(۳) بدن پر مکھی یا پسّو کا پاخانہ (بیٹ) لگ جائے اور وضو میں اس کے نیچے پانی نہ پہنچے تو بوجہ حرج کے مضائقہ نہیں وضو جائز ہے۔ (۲)

(۴) دوا وعلاج کے طور پر کوئی چیز بدن پر لگائی ہو تب بھی یہی حکم ہے، یعنی وضو جائز ہے، چھڑانا ضروری نہیں۔

(۵) اسی طرح کوئی ایسی چیز لگی ہو جس کے اکھاڑنے میں تکلیف ومشقت ہو جیسے الیکشن میں انگلی پر نشان لگایا جاتا ہے تو اس کو نکالنا ضروری نہیں، وہ معاف ہے۔

(۶) مہندی جیسا پتلا رنگ، قلم کا نشان، بدن کا میل، روغن، چربی وغیرہ اس میں بھی مضائقہ نہیں، کیوں کہ یہ چیزیں جرم یعنی تہہ والی نہیں جو پانی کو بدن تک پہنچنے سے روکتی ہوں۔

(۷) اسی سے لپ اسٹک اور ناخن پالش کا حکم بھی واضح ہو گیا کہ اگر وہ تہہ والی ہیں یعنی ان کا جرم اور پرت بنتا ہے تو اس کو لگانے سے وضو وغسل صحیح نہ ہوگا، اور اگر مہندی جیسا رنگ ہے (تہہ نہیں بنتی) تو وضو وغسل صحیح ہے۔

نواقض وضو

۲۲- **ضابطہ**: ہر بہنے والے خون یا پیپ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ

(۱) وفي الجامع الصغير: سئل أبو القاسم عن وافر الظفر الذي يبقى في أظفاره الدرن أو الذي يعمل عمل الطين أو المرأة التي صبغت إصبعها بالحناء أو الصرام أو الصباغ، قال: كل ذالك سواء يجزيهم وضوئهم إذ لا يستطاع الامتناع عنه إلا بحرج، والفتوى على الجواز بين المدني والقروي، كذا في الذخيرة (هندیہ: ۱/۴، البحر: ۱/۲۹) (۲) وإن كان على بعض أعضائه خرأ ذباب أو برغوث فتوضأ، و"في الذخيرة" أو اغتسل ولم يصل الماء إلى ما تحته جاز، لأن التحرز عنه غير ممكن (تاتارخانیہ: ۱/۹۵)

بالفعل بہے یا بالقوۃ؛ جسم پر بہے یا اس کے علاوہ پر۔ (۱)

تفریعات:

(۱) پس انجکشن لگانے یا گلوکوز چڑھاتے وقت سوئی میں بہہ پڑنے کی مقدار خون آگیا (جیسا کہ رگ کے انجکشن میں اکثر ایسا ہوتا ہے) تو وضو ٹوٹ جائے گا (اگر چہ: خون پھر دوا کے ساتھ اندر چلا جائے، کیوں کہ ایک بار نکلنا پایا گیا) اور اگر سوئی میں خون نہیں چڑھا (جیسا کہ گوشت اور کھال میں لگائے جانے والے انجکشن میں ہوتا ہے) تو انجکشن سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(۲) چھوٹی چیچڑی، مچھر، پسو، وغیرہ نے خون چوسا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ ان کا پیا ہوا خون بہنے کی مقدار نہیں ہوتا۔ اور اگر بڑی چیچڑی اور جونک خون چوس کر پھول جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ وہ خون بہنے کی مقدار ہوتا ہے۔ (۲)

(۳) کسی شخص کا تھوڑا تھوڑا خون نکلتا رہا اور وہ روئی یا کپڑے سے پونچھتا رہا یا مٹی یا دوا سے چھپاتا رہا تو اپنی غالب رائے واجتہاد سے جمع کرے اور دیکھے کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو خون بہہ جاتا یا نہیں؟ اگر بہہ جاتا تو وضو ٹوٹ جائے گا (کیوں کہ یہ بالقوۃ بہتا ہے) اور اگر نہ بہتا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور یہ جمع کرنے کا حکم ایک ہی مجلس کے ساتھ خاص ہے، متعدد مجالس کا خون جمع نہیں کیا جائے گا (پس متعدد مجلسوں میں تھوڑا تھوڑا خون نکلا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا اگر چہ جمع کے بعد وہ بہنے کی مقدار پہنچ جائے (۳))

---

(۱) ینقضہ......عین السیلان ولو بالقوۃ......الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱/۲۶۲)

(۲) وکذا ینقضہ علقۃ مصت عضواً وامتلأت من الدم، ومثلها القراد إن کان کبیرا، لأنه حینئذ یخرج منه دم مسفوح سائل (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱/۲۶۸۔ تاتارخانیہ: ۱/۱۲۶)

(۳) وکذا إذا وضع علیه قطنا أو شیئا آخر حتی ینشف ثم وضعه ثانیا وثالثا فانه یجمع جمیع ما نشف، فإن کان بحیث لو ترکه سال نقض وإنما یعرف هذا ←

(۴) یہی حکم اس صورت کا ہے کہ زخم پر پٹی باندھی اور اندر اندر خون نکلتا رہا، اگر (ایک ہی مجلس میں) سارا خون بہنے کی مقدار تک پہنچ گیا تو وضوٹو جائے گا، ورنہ نہیں (اس میں زخم والوں کے لئے بڑی وسعت ہے)(۱)

(۵) کسی بیماری کے باعث ناف، کان اور پستان سے پانی بہنے کے بقدر نکلا تو وضو ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ یہ درحقیقت پیپ ہے۔

(۶) مگر دکھتی آنکھ سے پانی نکلا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، یہی صحیح و محقق قول ہے، کیوں کہ آنکھ منھ کی طرح محل رطوبت ہے، عارض کی وجہ سے کثرت سے رطوبت بہے تو اس کو پیپ نہیں کہیں گے، جب تک کہ کوئی علامت نہ پائی جائے۔ ہاں! البتہ اگر اس پانی کے رنگ یا بو میں تغیر آجائے تو پھر اس سے وضوٹوٹ جائے گا، کیوں کہ اب اس کے پیپ ہونے کی علامت پائی گئی (تغیر کے جاننے کا طریقہ یہ ہے سفید ستھرا رومال آنکھ پر رکھا جائے پھر اس پانی کو دیکھا اور سونگھا جائے، اگر اس میں بدبو ہو تو وہ پیپ ہے ورنہ رطوبت)(۲)

← بالاجتهاد وغالب الظن ..قالوا:يجمع إذا كان في مجلس واحد مرة بعد أخرى فلو في مجالس فلا (شامی:۲۶۲/۱، تاتارخانیہ:۱۲۵/۱)

(۱)وعليه فما يخرج من الجرح اللذى ينزّ دائماً وليس فيه قوة السيلان ولكنه إذا ترك يتقوّى باجتماعه ويسيل عن محله فاذا نشفه أو ربطه بخرقة صار كلما خرج منه شيء تشربته الخرقة ينظر إن كان ماتشربته الخرقة في ذالك المجلس شيأً فشيأً بحيث لو ترك واجتمع سال بنفسه نقض وإلا لا،ولايجمع مافي مجلس الى مجلس آخر،وفي ذالك توسعة لأصحاب القروح......الخ (شامی:۲۶۲/۱)

(۲)ولوكان في عينيه رمد أو عمش يسيل منهما الدموع ،قالوا:يؤمر بالوضوء لوقت كل صلوة لاحتمال ان يكون صديداً أو قيحاً اه.وهذا التعليل يقتضى أنه أمر استحباب فإن الشك والاحتمال في كونه ناقضاًلايوجب الحكم بالنقض إذ ←

(۷) بستہ خون جو اکثر زکام میں، بلغم میں، یا فضلۂ ناک میں آتا ہے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ وہ دم سائل کے حکم میں نہیں ہے[1]۔

۲۳- **ضابطہ:** ہر وہ چیز جو سبیلین (پیشاب پاخانہ کے مقام) سے نکلے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ عادتاً نکلے یا خلاف عادت۔[2]

جیسے پیشاب، پاخانہ، ریح، منی، مذی، ودی اور حیض ونفاس کا خون؛ اسی طرح خلاف عادت نکلنے والی چیزیں، مثلاً کیڑا، خون، کنکری، وغیرہ کے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

البتہ اگر پیشاب کے مقام سے ہوا خارج ہو تو صحیح مذہب کے مطابق اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ یہ حقیقت میں ریح نہیں، بلکہ اس عضو کا اختلاج ہے اور اگر ریح تسلیم کرلیا جائے تب بھی وضو نہیں ٹوٹے گا، کیوں یہ ریح نجاست کے مقام سے نہیں گذرتی اور ریح بذات خود نجس اور وضو کو توڑنے والی نہیں، بلکہ نجس مقام سے گذرنے کی وجہ سے وضو کو توڑتی ہے۔

البتہ جو عورت مفضات ہو یعنی جس کے پیشاب و پاخانہ کے مقام کا درمیانی پردہ پھٹ گیا ہو اس کے لئے امام محمد کے نزدیک احتیاطاً وضو واجب ہے، امام ابو حفص نے اسی کو اختیار کیا ہے اور فتح القدیر میں اسی کو ترجیح دی ہے، کیوں کہ غالب طور پر ریح پاخانہ کے مقام ہی سے نکلتی ہے (وہی پھر پھٹن سے آگے کی راہ میں آکر نکلتی ہے)[3]

← الیقین لایزول بالشك، نعم إذا علم من طریق غلبة الظن بأخبار الاطباء أو بعلامات تغلب علی ظن المبتلی یجب (البحر الرائق: ۱/۶۲، فتاوی دار العلوم: ۱/۱۳۲، ۱۴۴، فتاوی رشیدیہ: ۲۸۳، احسن الفتاوی: ۲/۲۱)

(۱) الرجل إذا استنثر فخرج من أنفه علق قدر العدسة لاتنقض الوضوء (هندیہ: ۱/۱۱) (۲) (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۸۶)

(۳) أی المفضاة: وهی التی اختلط سبیلها أی مسلك البول و الغائط، فیندب ←

تفریعات:

(۱) بواسیر کے مسے یا کانچ (پاخانہ کی جگہ کا اندرونی حصہ) باہر نکل آئے اور ہاتھ یا کپڑے وغیرہ کے ذریعہ ان کو اندر داخل کرے تو وضوٹوٹ جائے گا، کیوں کہ اس سے ہاتھ یا کپڑے میں کچھ نہ کچھ نجاست لگ کر باہر آئے گی اور یہ باطن سے خارج کی طرف نجاست نکلنا ہے۔ ہاں اگر وہ خود بخود اندر چلے گئے، ہاتھ یا کپڑے کو استعمال نہیں کیا جیسے چھینک آئی اور مسہ اور کانچ اندر داخل ہوگئے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔[1]

(۲) اگر کوئی شخص عورت کی آگے کی یا مرد وزن کی پچھلی شرمگاہ میں انگلی داخل کرے تو وضوٹوٹ جائے گا، خواہ کپڑا وغیرہ لپیٹ کر داخل کرے یا اس کے بغیر، کیوں کہ انگلی کے ساتھ کچھ نہ کچھ نجاست باہر نکلے گی (علاج کے لئے کبھی ایسا کرنا پڑتا ہے)[2]

۲۳-ضابطہ: ہر وہ قے جو منہ بھر کر ہو نجس ہے اور اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔[3]

جیسے صفرا یا سودا یا بستہ خون یا کھانے یا پانی کی قے جو منہ بھر کر ہو نجس ہے اور اس سے وضوٹوٹ جائے گا۔ خواہ یہ قے خود بخود نکلی ہو یا عمداً (مثلاً منہ میں انگلی وغیرہ ڈال کر) کی ہو اور خواہ منہ میں آنے کے بعد باہر پھینک دی ہو یا حلق میں واپس لوٹادی ہو سب کا ایک ہی حکم ہے یعنی وضوٹوٹ جائے گا۔[4] البتہ خالص بلغم کی قے ہو تو اس

← لها الوضوء من الريح ،وعن محمد يجب احتياطاً، وبه أخذ أبوحفص ورجحه في الفتح بأن الغالب في الريح كونها من الدبر۔(شامی:۱/۲۶۳)

(۱) باسوريّ خرج من دبره فإن عالجه بيده أو بخرقة حتى أدخله تنقض طهارته لأنه يلتزق بيده شيء من النجاسة إلا ان عطس ودخل بنفسه.وذكر الحلوانيّ: انه تيقن خروج الدبر تنقض طهارته......الخ (البحر الرائق:۱/۶۱)

(۲)(الدر المختار على هامش ردالمحتار:۱/۲۸۱) (۳)(الدر المختار على هامش ردالمحتار:۱/۲۶۵) (۴)إن كونه ملء الفم شرط للنقض وإن لم يستقر وليس علمه أو عدم عوده شرط...... الخ (اعلاء السنن:۱/۱۴۳)

سے وضو نہیں ٹوٹے گا، خواہ بلغم سر سے اترے یا معدہ سے نکلے، کیوں کہ بلغم کے چکنا ہونے کی وجہ سے ناپاکی اس میں سرایت نہیں کرتی اور جو اس میں لگتی ہے وہ قلیل ہوتی ہے، جو ناقض وضو نہیں[۱]۔

اور ناپاک ہونے میں بڑے آدمی کی اور چھوٹے بچہ کی قے برابر ہے، خواہ دودھ پیتا بچہ ہو اور دودھ پیتے ہی فوراً نکال دیا ہو[۲]۔

۲۵- **ضابطہ**: ہر ایسی نیند جس میں قوت ماسکہ (خروج ریح کو قابو میں رکھنے والی صلاحیت) زائل ہو جائے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور جو نیند ایسی نہ ہو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[۳]

جیسے اگر کوئی شخص کروٹ پر یا چت سویا، یا کسی دیوار یا ستون یا آدمی وغیرہ کے سہارے اس طرح سویا کہ اگر وہ سہارا ہٹالیا جائے تو سونے والا گر پڑے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ یہ ایسی نیند ہے جس سے قوت ماسکہ زائل ہو جاتی ہے۔

اور اگر اس طرح سویا کہ جس سے قوت ماسکہ زائل نہیں ہوتی، مثلاً دو زانوں بیٹھے ہوئے سویا، یا چار زانوں یعنی چوکڑی مار کر سویا (بشرطیکہ سر ران سے الگ ہو رحیمیہ: ۱۴۳/۱) یا دونوں سرین پر بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے کر کے سویا، یا قیام میں سویا، یا رکوع یا سجدے کی حالت میں سویا، تو ان سب صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔[۴]

لیکن سجدے کی حالت میں وضو نہ ٹوٹنے میں شرط یہ ہے کہ سجدہ مرد کی مسنون ہیئت پر ہو یعنی ران پیٹ سے الگ ہو اور بازو زمین سے لگے ہوئے نہ ہوں۔ اور اگر

---

(۱) لاینقضه قیء من بلغم علی المعتمد اصلاً (الدر المختار) أی سواء کان صاعداً من الجوف اونازلاً من الرأس (شامی: ۲۶۵/۱)

(۲) وهو نجس مغلظ من صبی ساعة ارتضاعه، وهو الصحیح (شامی: ۲۶۵/۲)

(۳) وینقضه حکماً نوم یزیل مسکته أی قوته الماسکة (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲۷۰/۱) (۴) (هندیه: ۱۲/۱)

عورت کی طرح سجدہ کیا یعنی ران کو پیٹ سے ملا کر اور بازو کو زمین سے لگا کر سویا (جو کہ عورت کے حق میں استر وافضل ہے) تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عورت سجدے میں سوئے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے مرد سوئے تو نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ عورت کے سجدہ کی ہیئت مسنونہ الگ ہے اور مرد کی الگ، لیکن اگر دونوں نے اپنی اپنی ہیئت بدل دی تو نقض وضو کا معاملہ بھی برعکس ہو جائے گا۔ (۱)

اگر کوئی شخص بغیر ٹیک لگائے سو رہا تھا کہ اسی حالت میں گر گیا تو اگر گرنے سے قبل یا گرنے کی حالت میں یا گرنے کے فوراً بعد بلا تاخیر بیدار ہو گیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، اور اگر گرنے کے بعد تاخیر سے آنکھ کھلی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ (۲)

غسل کا بیان

۲۶-ضابطہ: جسم کا ہر وہ حصہ جس پر بلا مشقت پانی پہنچانا ممکن ہے اس کا دھونا فرض ہے، اور جہاں حرج و مشقت ہے وہاں فرض نہیں۔ (۳)

تفریعات:

(۱) پس کان، ناف، مونچھ، ابرو، کھال، بال، وغیرہ سب کا دھونا فرض ہے۔ اور آنکھ کے اندرونی حصہ کا دھونا فرض نہیں اگرچہ نابینا ہو (۴)۔

---

(۱) والهيئة المسنونة بان يكون رافعاً بطنه عن فخديه مجافيا عضديه عن جنبيه ......وظاهره أن المراد الهيئة المسنونة في حق الرجل لا المرأة (شامی: ۱/۱۴۷)

(۲) ولونام قاعداً فسقط على وجهه أو جنبه إن انتبه قبل سقوطه أو حالة سقوطه أو سقط نائماً وانتبه من ساعته لاينتقض وإن استقر نائماً ثم انتبه ينتقض (هندیہ: ۱/۱۲، شامی: ۱/۱۴۷)

(۳) يجب اى يفرض غسل كل مايمكن من البدن بلا حرج مرة......و لا يجب غسل مافيه حرج (الدرالمختار على هامش، ردالمحتار: ۱/۲۸۵-۲۸۶)

(۴) (شامی: ۱/۲۸۶)

(۲)عورت کے لئے فرج داخل کا دھونا واجب نہیں، اسی پر فتویٰ ہے۔ برخلاف باہر کی فرج کے کہ اس کا دھونا واجب ہے، کیوں کہ وہ منھ کے ظاہر کے مانند ہے اور بلاحرج اس کا دھونا ممکن ہے۔[1]

(۳)کھوکھلے دانت میں پانی پہچانا فرض نہیں، البتہ پہنچالے تو احتیاط ہے۔[2]

(۴)اور مصنوعی (بناوٹی) دانت اگر آسانی سے نکل سکتا ہو تو نکال کر کلی کرنا غسل میں ضروری ہے، اور اگر دشوار ہو تو نکالنا ضروری نہیں۔[3]

(۵)انگوٹھی کے نیچے اور کان کی بالی وغیرہ کو حرکت دے کر سوراخ میں پانی پہنچانا فرض ہے۔ البتہ سوراخ کچھ بند ہو جائے تو لکڑی وغیرہ ڈال کر مشقت سے اندر پانی پہنچانا حرج کی وجہ سے واجب نہیں، صرف ہاتھ میں پانی لے کر اس سوراخ پر ماردینا اور جہاں تک ہو سکے اندر پہنچادینا کافی ہے۔[4]

۲۷- **ضابطہ**: وہ منی جو اپنی اصل جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہو اس کے جسم سے باہر نکلنے پر غسل فرض ہو جائے گا، خواہ باہر نکلتے وقت شہوت ہو یا نہ ہو اور خواہ فوراً نکلے یا دیر سے نکلے۔[5]

تفریع: پس اگر مجامعت کے غسل کے بعد دوبارہ منی بغیر شہوت کے نکلے تو صاحبین کے نزدیک دوبارہ غسل واجب ہوگا، کیوں کہ یہ وہی منی ہے جو مجامعت کے

(۱)(الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/۲۸۵)

(۲)ولو كان سنه مجوفاً فبقي فيه أو بين أسنانه طعام ...... تم غسله على الأصح، كذا في الزاهدي. والاحتياط أن يخرج الطعام عن تجويفه ويجري الماء عليه، هكذا في فتح القدير (هندیہ: ۱/۳۵)

(۳)الأصل وجوب الغسل إلا أنه سقط لحرج (شامی: ۱/۲۸۶)

(۴)(کبیری: ۴۲، شامی: ۱/۲۸۶)

(۵)وتعتبر الشهوة عند انفصاله عن مكانه لا عند خروجه...... الخ (هندیہ: ۱/۱۴)

وقت اپنی اصل جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہوئی ہے اور وہ اب نکلی ہے (لیکن اگر مجامعت کے بعد سویا؛ یا پیشاپ کیا؛ یا چالیس قدم چلا؛ پھر غسل کیا اور غسل کے بعد منی بلاشہوت کے نکلی تو دوبارہ غسل واجب نہیں، کیوں کہ اب یہ نئی منی شمار ہوگی جو بلاشہوت کے اپنی اصل جگہ سے جدا ہوئی ہے، سابقہ منی نہیں ہے)(۱)

البتہ اگر عورت کے غسل کے بعد مرد کی منی اس کی فرج سے نکلے تو اس میں مطلقاً دوبارہ غسل واجب نہیں، کیوں کہ یہ اس کی خود کی منی نہیں ہے (البتہ وضو لازم ہوگا)(۲)

تیمّم کا بیان

۲۸- ضابطہ: تیمم ہر اس چیز پر جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو اور غیر جنس پر تیمم جائز نہیں۔(۳)

اور جنس اور غیر جنس کے پہچاننے کا ضابطہ یہ ہے کہ:

۲۹- ضابطہ: ہر وہ چیز جو جلانے سے جل کر راکھ ہو جائے یا آگ میں پگھل کر نرم ہو جائے تو وہ جنس زمین سے نہیں، پس اس پر تیمم جائز نہیں اور جو چیز جلانے سے نہ جلے اور پگھلانے سے نہ پگھلے وہ جنس زمین سے ہے، اس پر تیمم جائز ہے۔(۴)

جیسے: لکڑی، گھاس، بانس، وغیرہ جلنے والی چیزوں پر اور لوہا، پیتل، کانسی، شیشہ، سونا، چاندی، وغیرہ پگھلنے والی چیزوں پر تیمم جائز نہیں۔

---

(۱) أن المجامع إذا اغتسل قبل أن يبول أو ينام ثم سال منه بقية المني من غير شهوة بعد الاغتسال عندهما خلافاً له، فلو خرج بقية المني بعد البول أو النوم أو المشي لا يجب الغسل اجماعا (البحر الرائق: ۱/۱۰۲)

(۲) إذا اغتسلت بعد ما جامعها زوجها ثم خرج منها مني الزوج فعليها الوضوء دون الغسل (هندیہ: ۱/۱۴، فتح القدیر: ۱/۶۸، تاتارخانیہ: ۱/۱۵۶) (۳) (هندیہ: ۱/۲۶)

(۴) (هندیہ: ۱/۲۶)

اور مٹی، غبار، ریت، گچ، چونا، سرمہ، گیرو، گندھک، فیروزہ، عقیق، زمرد، زبرجد، یاقوت، وغیرہ پتھر کی اقسام؛ اسی طرح پختہ اینٹ اور مٹی کے برتن وغیرہ پر تیمم جائز ہے، خواہ اس پر غبار ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح سیمنٹ کی پختہ دیوار، فرش اور ٹائل پر بھی تیمم جائز ہے۔[۱]

تفریعات:

(۱) نمک اگر پانی سے بنا ہے تو اس پر بالاجماع تیمم جائز نہیں اور اگر معدنی ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں، فقہا نے دونوں کی تصحیح کی ہے، اور فتویٰ جواز پر ہے[۲]۔

(۲) اور راکھ اگر غیر جنس کی ہو، یعنی لکڑی وغیرہ کی تو اس پر تیمم جائز نہیں اور اگر جنس ارض کی ہو، مثلاً زمین یا پتھر جل جائے تو اصح یہ ہے کہ ایسی راکھ پر تیمم جائز ہے۔ پس معلوم ہوا کہ پتھر کا کوئلہ جو اس زمانہ میں رائج ہے اس پر تیمم جائز ہے، کیوں کہ وہ ایک قسم کا جلا ہوا پتھر ہے[۳]۔

۳۰- **ضابطہ**: غیر جنس پر غبار ہونے کی صورت میں ہاتھوں پر غبار کا اثر ظاہر ہونا ضروری ہے (جنس ارض میں یہ شرط نہیں)[۴]

تفریع: پس ریل کی سیٹ پر اور اس کی دیوار وغیرہ پر تیمم درست نہیں، مگر یہ کہ اس پر اتنا گرد و غبار ہو کہ ہاتھ پر اس کا اثر ظاہر ہو تو درست ہے۔

۳۱- **ضابطہ**: تیمم سے نماز جائز ہونے کے لئے شرط ہے کہ وہ تیمم ایسی عبادت مقصودہ کی نیت سے کیا گیا ہو جو بغیر طہارت کے صحیح نہیں ہوتی۔[۵]

---

(۱) (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/۳۶۰، هندیہ: ۱/۲۷)

(۲) وأما الملح فإن كان مائيا فلايجوز به اتفاقاً وإن كان جبليا ففيه روايتان وصحح كل منهما ذكره في الخلاصه لكن الفتوىٰ على الجواز (البحر: ۱/۲۵۸)

(۳) ويجوز التيمم بالأرض المحترقة في الأصح (البحر: ۱/۲۵۸)

(۴) (البحر الرائق: ۱/۲۵۸) (۵) وشرط له اى للتيمم في حق جواز الصلاة به ←

تفریعات:

(۱) پس اگر قرآن کو چھونے کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے نماز درست نہ ہوگی، کیوں کہ محض قرآن کا چھونا عبادت مقصودہ نہیں، بلکہ وہ تلاوت کے تابع ہے۔

(۲) اسی طرح اگر ذکر و تسبیح کے لئے یا قرآن کی تلاوت کے لئے؛ یا مسجد میں داخل ہونے کے لئے؛ یا کسی دینی کتاب کا مطالعہ کرنے کے لئے تیمم کیا تو اس تیمم سے بھی نماز درست نہیں، کیوں کہ ان چیزوں کے لئے طہارت شرط نہیں۔

۳۲- **ضابطہ**: اگر وضو کرنے میں نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ہر اس نماز کے لئے تیمم کرنا جائز ہے جس کا کوئی قائم مقام اور بدل نہ ہو اور جن نمازوں کا کوئی قائم مقام اور بدل ہو ان کے لئے تیمم جائز نہیں۔ [۱]

جیسے نماز جنازہ و عیدین؛ اسی طرح چاند گرہن اور سورج گرہن کی نماز؛ ان کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم جائز ہے، کیوں کہ ان کا کوئی بدل نہیں۔

اور نماز جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم جائز نہیں، اگرچہ نماز قضا ہو جائے، کیوں کہ جمعہ کا بدل ظہر اور پنج وقتہ نمازوں کا بدل قضا کی صورت میں موجود ہے۔

۳۳- **ضابطہ**: جلدی میں نماز جنازہ وغیرہ کے لئے تیمم کیا تو اس تیمم سے وقتیہ نماز درست نہیں۔ [۲]

۳۴- **ضابطہ**: تیمم کا حکم مسح علی الخفین سے ماخوذ ہے۔ [۳]

← لیۃ عبادۃ...... مقصودۃ ...... لا تصح ...... بدون الطہارۃ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱/۳۱۶)

(۱) والأصل ان کل موضع یفوت فیہ الأداء لاإلی خلف فإنہ یجوز لہ التیمم وما یفوت الی خلف لایجوز لہ التیمم (ھندیۃ: ۱/۳۱) (۲) (نفع المفتی والسائل: ۱۴- شامی: ۱/۳۹۴) (۳) حکم التیمم ماخوذ من حکم المسح علی الخفین (قواعد الفقہ: ۷۸)

تفریعات:

(۱) پس وقت سے پہلے تیمم جائز ہے، جیسا کہ مسح علی الخفین جائز ہے۔

(۲) اسی طرح ایک تیمم سے کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ ایک مسح سے (جب تک وہ باقی رہے) متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

(۳) اسی طرح اگر تیمم کرنے والے نے نماز کے دوران پانی دیکھ لیا تو اس کی نماز باطل ہوگئی، جیسا کہ نماز کے دوران مسح کی مدت ختم ہوجانے سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔

۳۵-**ضابطہ:** تیمم سے پڑھی ہوئی نماز میں ہر وہ عذر جو بندے کی جانب سے ہو اس کے ختم ہوجانے پر نماز کا اعادہ لازم ہے اور جو عذر ایسا نہ ہو اس میں اعادہ واجب نہیں۔[۱]

جیسے قید خانے میں کافر نے پانی سے منع کردیا؛ یا دشمن نے خوف دلایا؛ یا چلتی ریل میں پانی نہیں تھا[۲] وغیرہ..اور تیمم سے نماز پڑھی تو اس عذر کے ختم پر نماز کا اعادہ لازم ہے، کیوں کہ یہ عذر بندے کی جانب سے ہے۔

اور اگر پانی کی دوری، یا بیماری وغیرہ عذر ہو تو اس میں نماز کا اعادہ لازم نہیں، کیوں کہ یہ عذر من جانب اللہ ہے بندے کا اس میں دخل نہیں۔

۳۶-**ضابطہ:** جس عذر کی وجہ سے تیمم جائز ہوا تھا، مثلاً پانی کی دوری، بیماری یا ٹھنڈک وغیرہ؛ اس عذر کے ختم ہونے سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے، خواہ یہ عذر تھوڑی ہی دیر کے لئے ختم ہوا ہو۔[۳]

---

(۱) أن العذر إن کان من قبل اللہ تعالی لاتجب الاعادۃ وإن کان من قبل العبد وجبت الاعادۃ (البحر:۱/۲۴۸، شرح الوقایہ:۱/۹۸)

(۲) (احسن الفتاوی:۱/۵۵)

(۳) ماجاز بعذر بطل بزوالہ ، فلو تیمم لمرض بطل ببرئہ أو لبرد بطل بزوالہ (الدر المختار:۱/۴۲۵-۴۲۸، حاشیۃ الطحطاوی:۱۲۵، مجمع الانہر:۱/۳۸)

خفین پر مسح کا بیان

۳۷- **ضابطہ**: مسح کا محل پاؤں کا اوپر کا حصہ ہے۔ (۱)

تفریع: پس اگر کسی نے پیر کے تلی میں، یا ایڑی پر، یا پنڈلی پر، یا اس کے اطراف میں، یا ٹخنوں پر مسح کیا تو مسح درست نہ ہوگا۔ (۲)

۳۸- **ضابطہ**: مسح میں اعتبار اوپر کے موزوں کا ہے۔ (۳)

تفریع: پس اگر کسی نے خفین کے نیچے عام کپڑے کے موزے پہن رکھے ہوں تو کوئی حرج نہیں، مسح درست ہے۔ (۴)

اور اگر برعکس صورت ہو یعنی کپڑے کے موزے اوپر ہوں اور خفین نیچے ہوں تو مسح جائز نہیں، مگر یہ کہ کپڑے کے موزے اتنے باریک ہوں کہ پانی خفین تک پہنچ جائے تو یہ خف پر مسح شمار ہوگا اور جائز ہوگا۔ (۵)

معذور کا بیان

۳۹- **ضابطہ**: پٹی وغیرہ باندھ کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنے کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے عذر پر قابو پایا جاسکتا ہو تو اس پر قابو پانا ضروری ہے۔ (۶)

---

(۱) ومحله على ظاهر خفيه (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱/۴۴۸)

(۲) (کبیری: ۹۶) (۳) (مستفاد الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱/۴۴۸)

(۴) يعلم منه جواز المسح على خف لبس فوق مخيط من كرباس أو جوخ أو نحوهما مما لا يجوز عليه المسح (منحة الخالق: ۱/۳۱۵)

(۵) فلو من كرباس لا يجوز ولو فوق الخف إلا أن يصل بلل المسح إلى الخف (شامی: ۱/۴۵۰، البحر الرائق: ۱/۳۱۷) (۶) يجب ردّ عذره أو تقليله بقدر قدرته ولو بصلاته مومياً وبردّه لا يبقى ذا عذر (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱/۵۰۸)

تشریح: پس اگر معذور اس بات پر قادر ہے کہ پٹی باندھ کر یا روئی رکھ کر خون وغیرہ کو روک سکتا ہے یا کم کرسکتا ہے یا بیٹھنے میں خون جاری نہیں ہوتا اور کھڑے ہونے میں جاری ہوتا ہے تو اس کا بند کرنا واجب ہے اور اس بند کرنے پر قادر ہونے کے سبب سے اب وہ صاحب عذر نہیں رہے گا۔ اگر جھکنے سے یا سجدہ کے وقت خون جاری ہوتا ہے ورنہ جاری نہیں ہوتا تو کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔

لیکن اگر لیٹنے سے جاری نہیں ہوتا ورنہ جاری ہوتا ہے تو لیٹ کر نماز نہ پڑھے بلکہ کھڑا ہو کر ارکان ادا کرے اگرچہ خون جاری رہے کہ اب وہ معذور ہے، کیوں کہ لیٹ کر نماز پڑھنا انتہائی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے اور حدث کے ساتھ پڑھنا بھی اسی طرح انتہائی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے، پس دونوں درجہ میں برابر ہوگئے، تو ارکان کی حفاظت کے خاطر حدث کے ساتھ پڑھنے کو ترجیح دی جائے گی۔ (۱)

۴۰- **ضابطہ:** نماز میں معذور کی اقتدا کرنا جائز نہیں، مگر یہ کہ مقتدی کو بھی اسی جیسا عذر ہو تو اس کے لئے اس کی اقتدا درست ہے۔ (۲)

حیض کا بیان

۴۱- **ضابطہ:** حیض کے لئے خون کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں۔ (۳)

تشریح: پس مدت حیض میں جو بھی خون آئے خواہ ایک قطرہ ہو یا زیادہ؛ مسلسل آئے یا رک رک کر؛ سب حیض ہیں۔

---

(۱) کما فی الفتح القدیر. وفی تقریرات الرافعی ۳۹/:(بخلاف من لو استلقی ......) لأن الصلوة کما لاتجوز مع الحدث إلا لضرورة ولاتجوز مستلقیاً إلالها فاستویاوترجح الأداء لما فیه من احراز الأرکان،فتح)

(۲) یجوز اقتداء معذور بمثله إذا اتحد عذرهما لا إن اختلف (شامی:۲/۳۲۳، باب الامامة) (۳) (حاشیة الطحطاوی:۱۳۹)

۴۲- **ضابطہ**: حیض کے خون کا کوئی مخصوص رنگ نہیں۔[۱]

تشریح: پس مدت حیض میں (خالص سفیدی کے علاوہ) جس رنگ کا بھی خون آئے سرخ، زرد، سبز، سیاہ، گدلا اور مٹیالا سب حیض ہیں۔

۴۳- **ضابطہ**: عادت کی طرف لوٹنا اس وقت ہے جبکہ خون دس دن سے تجاوز کر جائے، ورنہ نہیں۔[۲]

تشریح: پس اگر کسی عورت کو عادت کے خلاف زیادہ خون آیا اور وہ خون دس دن سے بھی تجاوز کر گیا تو عادت کی طرف رجوع کریں گے، یعنی اس سے پہلے مہینوں میں جتنے دن خون آتا تھا اتنے دن حیض شمار کریں گے، باقی استحاضہ (پس زمانہ استحاضہ کی نمازیں قضا کرے)

اور اگر خون دس دن سے آگے نہیں بڑھا تو سب دن حیض کے شمار ہوں گے اور سمجھیں گے کہ اس کی عادت بدل گئی، اب پہلی عادت کا اعتبار نہ ہوگا۔[۳]

۴۴- **ضابطہ**: پندرہ دن پاکی کے بعد آنے والا خون حیض ہے، خواہ کسی سبب سے آئے۔[۴]

تفریع: پس اگر کوئی عورت گر گئی یا بوجھ اٹھایا اور خون جاری ہو گیا؛ یا کسی عورت نے دوا کے ذریعے خون جاری کیا؛ تو ان تمام صورتوں میں وہ خون حیض شمار ہوگا (بشرطیکہ پندرہ دن پاکی کے بعد آیا ہو)

۴۵- **ضابطہ**: حیض کی عمر نو سال سے پچپن سال کے درمیان ہے۔[۵]

تشریح: پس نو سال سے پہلے جو خون آئے وہ حیض نہیں استحاضہ ہے۔ اور پچپن

---

(۱) (شامی: ۱/۴۷۴)　(۲) (شامی: ۱/۴۹۸)　(۳) (الدر المختار: ۱/۴۹۸، ملتقی الابحر: ۱/۸۲)　(۴) (مستفاد: فتاوی رشیدیہ)　(۵) وھو مقدر من تسع سنین الی الایاس. الایاس مقدر بخمس وخمسین سنة وھو المختار.. وعلیه الفتوی (ھندیہ: ۱/۳۶)

سال کے بعد ایاس (ناامیدی) کا زمانہ ہے اس میں عموماً خون نہیں آتا (لیکن اگر کسی عورت کو پچپن سال کی عمر کے بعد بھی خون آئے تو اس کا رنگ دیکھا جائے، اگر خون کا رنگ قوی یعنی گہرا سرخ یا سیاہ ہے تو وہ حیض ہے اور اگر کوئی دوسرا رنگ ہے تو وہ حیض نہیں، استحاضہ ہے۔ البتہ اگر پچپن سال سے پہلے اس عورت کو اس دوسرے رنگ کے خون کے آنے کی عادت رہی ہو تو اب دوسرے رنگ کا خون بھی حیض شمار ہوگا اور اگر عادت نہ رہی ہو تو استحاضہ ہے)[۱]

۴۶- **ضابطہ**: دو حیض کے درمیان پاک رہنے کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے[۲]

تشریح: پس پندرہ دن سے پہلے اگر خون آجائے تو وہ دوسرا حیض شمار نہ ہوگا (اور طہر کی اکثر مدت کی کوئی انتہاء نہیں، کتنے ہی مہینے خون نہ آئے عورت پاک ہے)

نوٹ: حیض اور اس کے احکام سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

نفاس کا بیان

۴۷- **ضابطہ**: نفاس کے لئے بچہ کا اکثر حصہ پیٹ سے باہر نکل جانا اور خون کا بچہ دانی سے آنا ضروری ہے۔[۳]

تشریح: پس نصف حصہ نکلنے سے پہلے جو خون آئے وہ نفاس نہیں بلکہ استحاضہ ہے، اگر ہوش وحواس درست ہوں تو اس وقت بھی نماز پڑھنا لازم ہے، قضا نہ کرے اگرچہ اشارے ہی سے پڑھے، لیکن اگر نماز پڑھنے سے بچے کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت نہ پڑھے، بعد میں قضا کر لے۔

---

(۱) فما رأت بعدها لایکون حیضاً فی ظاهر المذهب والمختار أن ما رأته إن کان دما قویا کان حیضاً (هندیہ: ۱/۳۶) (۲) (ہدایہ: ۱/۶۶)

(۳) والنفاس ...... دم ...... یخرج من رحم ...... عقب ولد أو أکثره (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/۴۹۶)

تفریعات:

(۱) اگر بچہ کے اعضاء پیٹ سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالے گئے تو اگر اکثر اعضاء نکل چکے ہیں تو اس کے بعد آنے والا خون نفاس ہے ورنہ استحاضہ ہے۔[1]

(۲) حاملہ کا حمل گر جائے یا گرا دیا جائے تو اگر بچے کا کوئی عضو بن چکا ہے (اور اعضاء بننے کے لئے کوئی خاص مدت متعین نہیں عموماً چار ماہ میں اعضاء بن جاتے ہیں) تو اس کے بعد آنے والا خون نفاس ہے، اور اگر اعضاء نہیں بنے تو وہ خون حیض ہے بشرطیکہ شرائط حیض پائے جائیں (یعنی وہ خون تین دن سے کم نہ ہو اور اس سے پہلے پورا طہر یعنی پندرہ دن گذر گئے ہوں) ورنہ (یعنی ان مذکورہ شرائط حیض میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو) تو استحاضہ ہے[2]۔

(۳) اگر آپریشن کے ذریعے پیٹ چاق کر کے بچہ نکالا گیا تو آپریشن کے بعد اگر خون بچہ دانی سے شرمگاہ کے راستے سے بہا ہے تو نفاس ہے اور اگر شرمگاہ کے راستہ سے نہیں بہا تو اس کا حکم زخم سے بہنے والے خون کی طرح ہے، وہ نفاس نہ سمجھا جائے گا۔[3]

۴۸- **ضابطہ**: مدت نفاس میں دو خونوں کے درمیان پاکی کا زمانہ بھی نفاس ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔[4]

---

(۱) (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/۴۹۶)

(۲) وسقط مثلث السين أی مسقوط ظهر بعض خلقه كيد أو رجل أو إصبع أو ظفر او شعر، ولا يستبين خلقه إلا بعد ماة وعشرين يوماً ولد حكماً فتصير المرأة به نفساء ...... فإن لم يظهر له شيء فليس بشيء والمرئي حيض ان دام ثلاثاً وتقدمه طهر تام وإلا استحاضة (درمختار) وفی الشامية: أن المشاهد ظهور خلقه قبل هذه المدة ...... الخ (شامی: ۱/۵۰۰)

(۳) فلو ولدته من سرتها إن سال الدم من الرحم فنفساء وإلافذات جرح (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/۴۹۶)

(۴) الطهر المتخلل بين الأربعين فی النفاس لايفصل عند أبی حنيفة سواء ←

تشریح: پس چالیس دن میں وقفے وقفے سے خون آئے تو بیچ میں پاکی کا زمانہ بھی نفاس سمجھا جائے گا، اگرچہ طہر (پاکی) پندرہ دن سے بھی زیادہ ہو، اسی پر فتویٰ ہے۔

۴۹- **ضابطہ**: جڑوے بچے پیدا ہوں (یعنی دونوں کی ولادت میں چھ مہینے سے کم فاصلہ ہو) تو اول بچے کی ولادت سے ہی نفاس شمار ہوگا۔ (۱)

تفریع: پس اگر دوسرا بچہ چالیس دن کے بعد پیدا ہوا تو اس کے بعد آنے والا خون استحاضہ ہوگا، نفاس نہیں ہوگا (البتہ نہانے کا حکم دوسرے بچے کی ولادت پر بھی ہوگا، یعنی غسل کر کے نماز شروع کرے) (۲)

نوٹ: نفاس سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

نجاست حقیقیہ کا بیان

۵۰- **ضابطہ**: انسان کے بدن سے نکلنے والی ہر ایسی چیز جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا غسل واجب ہوتا ہے نجس ہے اور وہ نجاست "غلیظہ" ہے۔ (۳)

جیسے: پاخانہ، پیشاب، منی، مذی، ودی، بہنے والا خون، کچ لہو (پیپ ملا ہوا خون) پیپ، منہ بھر قے (اگرچہ بچہ کی ہو) اور حیض ونفاس واستحاضہ کا خون یہ سب نجاست

← كان خمسة عشر أو أقل أو أكثر ...... وعليه الفتوى (شامی: ۱/۴۸۴)

(۱) ونفاس التوأمين من الأول وهما الولدان اللذان بين ولادتيهما أقل من ستة أشهر (البحر الرائق: ۱/۳۸۱)

(۲) وأفاد المصنف أن ماتراه عقب الثاني إن كان قبل الأربعين فهو نفاس الأول لتمامها واستحاضة بعد تمامها عند ابی حنيفة وابی يوسف فتغتسل وتصلی كما وضعت الثانی وهو الصحيح (البحر الرائق: ۱/۳۸۱ - شامی: ۱/۴۹۹)

(۳) كل مايخرج من بدن الانسان مما يوجب خروجه الوضوء أو الغسل فهو مغلظ كالغائط والبول والمنی والمذی ..الخ (هندیہ: ۱/۴۶)

غلیظہ ہیں۔

لیکن اس ضابطہ سے ریح مستثنیٰ ہے، اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے، مگر وہ خود نجس نہیں کپڑا اور بدن اس سے ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ہوا خارج ہونے پر بدن دھونا یعنی استنجاء کرنا بدعت ہے۔[1]

۵۱- **ضابطہ**: ہر وہ جانور جو کھایا نہیں جاتا اس کا فضلہ (پیشاب وگوبر) نجاست غلیظہ ہے، اور جو جانور کھایا جاتا ہے اس کا فضلہ نجاست خفیفہ ہے۔[2]

تشریح: پس درندے، مثلاً شیر، چیتا، بھیڑیا، بندر، ہاتھی وغیرہ کا پاخانہ و پیشاب؛ اسی طرح بلی وچوہے کا پاخانہ اور پیشاب دونوں نجاست غلیظہ ہیں ــــــ اور گائے، بیل، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ، مرغابی، بطخ، مرغی، کونج وغیرہ کا گوبر و پیشاب دونوں نجاست خفیفہ ہیں۔

ملحوظہ: ماکول اللحم کا گوبر نجاست خفیفہ صاحبین کے نزدیک ہے، اور بوجہ عموم بلویٰ کے یہی اظہر ہے۔[3]

۵۲- **ضابطہ**: ہر ایسا پرندہ جو ہوا میں اچھی طرح اُڑ نہیں سکتا (جیسے مرغی، بطخ، مور، وغیرہ) اس کی بیٹ نجاست غلیظہ ہے۔ اور جو پرندہ ہوا میں اچھی طرح اڑتا ہے: اگر وہ حلال پرندہ ہے (جیسے کبوتر، چڑیا وغیرہ) تو اس کی بیٹ پاک ہے اور اگر حرام پرندہ ہے (جیسے کوّا، باز، شکرا، چیل، وغیرہ) تو اس کی بیٹ نجاست

(۱) فلایسن من ریح، لأن عینها طاهرة...... فلایسن منه بل هو بدعة، کمافی المجتبی (شامی: ۱/۵۴۵)   (۲) (مستفاد ہندیہ: ۱/۴۶، ہدایہ: ۱/۷۵)

(۳) نجاسة مخففة کبول مایؤکل لحمه.. وقید بالبول لأن نجاسة البعر والروث والخثی غلیظة عند أبی حنیفة وقال أبو یوسف ومحمد: خفیفة، قال الشرنبلالی: وهو الأظهر لعموم البلوی بامتلاء الطریق منها (اللباب فی شرح الکتاب: ۱/۶۸، مکتبہ دار الکتاب)

خفیفہ ہے۔[1]

لیکن کوا، چیل وغیرہ کی بیٹ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا، کیوں کہ اس سے بچنا مشکل ہے۔[2]

۵۳- **ضابطہ**: ذات وماہیت کے تغیر سے ہر ناپاک چیز پاک ہوجاتی ہے، خواہ تغیر ازخود ہوجائے، یا کیا جائے۔[3]

جیسے:

(۱) شراب اگر سرکہ بن جائے یا اس میں نمک وغیرہ ڈال کر سرکہ بنالیا جائے تو وہ سرکہ پاک ہے، اس کا کھانا درست ہے۔[4]

(۲) اسی طرح گدھا نمک کی کان میں گر جائے اور نمک بن جائے تو وہ نمک پاک ہے، کھانا جائز ہے۔[5]

(۳) نیز پاخانہ یا گوبر جلا دیا جائے یا بغیر جلائے وہ مٹی ہوجائے تو وہ راکھ اور مٹی پاک ہے، اس پر نماز جائز ہے۔[6]

(۴) اسی طرح صابن میں نجس تیل یا خنزیر کی چربی ڈالی گئی اور وہ چربی صابن بن گئی تو صابن پاک ہے، استعمال درست ہے۔[7]

ان سب صورتوں میں چیز کی حقیقت وماہیت بدل گئی اور وہ دوسری چیز بن گئی۔

---

(۱) من مغلظة كعذرة آدمي ...... وخرء كل الطير لايذرق في الهواء كبط أهلي ودجاج وأم مايذرق فيه، فإن ماكولا فطاهر، وإلا فمخفف (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۵۲۵/۱، بدائع: ۱۹۷/۱) (۲) ولا نزح بخرء حمام وعصفور وكذا سباع الطير في الأصح (شامی: ۳۷۹/۱، فتح القدیر: ۸۷/۱)

(۳) (مستفاد شامی: ۵۳۴/۱) (۴) (شامی: ۵۳۴/۱) (۵) (شامی: ۵۳۴/۱)

(۶) (شامی: ۵۳۴/۱) (۷) جعل الدهن النجس في الصابون يفتى بطهارته، لأنه تغير (ہندیہ: ۴۵/۱، کبیری: ۱۶۵، شامی ۵۳۴/۱)

۵۴- ضابطہ: ہر ایسی چیز جس میں مسامات نہ ہوں اس کو کپڑے وغیرہ سے پونچھنے سے پاک ہوجاتی ہے (دھونا ضروری نہیں) [۱]

جیسے آئینہ، تلوار، چھری، چاقو، شیشے، چینی کے برتن، یا مٹی کے روغن اور لک کیے ہوئے برتن، یا پالش کی ہوئی لکڑی یا چکنا پتھر وغیرہ؛ ان سب کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کو کسی کپڑے وغیرہ سے اس طرح پونچھ دیا جائے کہ نجاست کا اثر زائل ہوجائے تو وہ پاک ہوجاتے ہیں، خواہ نجاست مرئیہ ہو یا غیر مرئیہ ـــــ بشرطیکہ وہ چیز چکنی ہو، کھردری نہ ہو، پس اگر کھردری ہو، جیسے زنگ والی ہو یا نقش والی ہو تو پونچھنے سے وہ پاک نہ ہوگی، بلکہ دھونا ضروری ہوگا (پھر اگر اس میں نجاست مرئیہ ہو تو اس قدر دھوئے کہ وہ نجاست دور ہوجائے اور اگر غیر مرئیہ ہو تو تین مرتبہ دھوئے) [۲]

۵۵- ضابطہ: پاک جامد چیز کا جب ناپاک چیز کے ساتھ اختلاط ہو تو جب تک نجاست کا اثر پاک چیز میں ظاہر نہ ہو وہ ناپاک نہ ہوگی۔ [۳]

تفریعات:

(۱) پس ناپاک خشک بستر پسینہ سے تر ہوجائے تو جب تک بدن پر نجاست کا اثر (رنگ یا بو) ظاہر نہ ہو بدن ناپاک نہ ہوگا۔

(۲) اسی طرح ناپاک زمین پر بھیگے پیر رکھے تو جب تک نجاست کا اثر پیروں میں ظاہر نہ ہو، ناپاکی کا حکم نہ ہوگا۔

۵۶- ضابطہ: جس چیز کو غیر مائع سے پاک کیا گیا ہو اس کو پانی وغیرہ لگنے سے نجاست عود نہیں کرتی۔ [۴]

---

(۱) ویطهر صیقل لامسامّ له کمرآة ...... بمسح یزول به أثرها مطلقاً به یفتی (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار: ۱/۵۱۱) (۲) ولو خشنا أو منقوشا لایطهر بالمسح (ہندیہ: ۱/۴۳) (۳) (مستفاد حاشیۃ الطحطاوی: ۱۵۸) (۴) هل یعود نجساً ببله بعد فرکه؟ المعتمد لا، وکذا کل ما حکم طهارته بغیر مائع (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار: ۱/۵۱۶)

جیسے خف کو مٹی سے رگڑ کر پاک کیا، یا زمین خشک ہونے سے پاک ہوئی، یا مردار کے چمڑے کو دباغت حکمی دی گئی، یا چکنی اور غیر مسامات والی چیز کو کپڑے وغیرہ سے پونچھ کر صاف کیا گیا وغیرہ ان تمام صورتوں میں پانی (یا کوئی اور سیال چیز) ان کو لگ جائے تو نجاست عود نہیں کرے گی۔ (۱)

البتہ پتھر وغیرہ سے استنجاء کے بعد قلیل پانی میں داخل ہونے سے پانی ناپاک ہوجائے گا (یہ صورت مستثنیٰ ہے) کیوں کہ پتھر وغیرہ سے استنجاء کرنا نجاست کو کم کرتا ہے، بالکلیہ نجاست کو زائل نہیں کرتا۔ (۲)

۵۷- **ضابطہ**: حرج اور عموم بلویٰ کی وجہ سے نجاست کے باب میں توسع برتا جاتا ہے۔ (۳)

جیسے:

(۱) پرندوں کی بیٹ اصلاً ناپاک ہے لیکن اس سے ٹنکی اور کنویں کا پانی ناپاک نہیں ہوتا (جب تک نجاست کا اثر پانی پر غالب نہ آجائے) کیوں کہ اس سے بچنا متعذر ہے۔ (۴)

(۲) چوہے کی مینگنی اور پیشاب ناپاک ہے (اس سے پانی و کپڑا ناپاک ہوجاتا ہے) لیکن اگر چوہے کی مینگنی گیہوں کے ساتھ پیس کر آٹا ہوگئی یا تیل میں گری تو اس سے آٹا اور تیل (ضرورتاً) ناپاک نہ ہوگا۔ (۵)

---

(۱) (شامی: ۱/۵۱۶) (۲) فالحجر لایطهر محل الاستنجاء من البدن، وإنما هو مقلل فلذا نجس الماء، بخلاف الدلك ونحوه فإنه مطهر (شامی: ۱/۵۱۶)

(۳) (مستفاد شامی، ہندیہ وغیرہما) (۴) ولا نزح في بول فأرة في الاصح. فيض ولا بخرء حمام و عصفور و كذا سباع طير في الاصح لتعذر صونها عنه (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱/۳۷۹) (۵) في الخانية: أن بول الهرة والفارة وخرئها نجس في أظهر الروايات يفسد الماء والثوب (شامی: ۱/۵۲۳) بعرة الفارة وقعت في ←

(۳) ناپاک کپڑا دھوتے وقت اگر معمولی چھینٹیں کپڑے و بدن پر پڑجائیں تو ضرورتاً معاف ہیں (البتہ پانی میں یہ چھینٹیں گریں تو پانی ناپاک ہوجائے گا، کیوں کہ پانی کی طہارت زیادہ مؤکد ہے)[1]

(۴) بلی درندہ ہے اس کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہیے، مگر حرج کی وجہ سے پاک ہے اور صرف کراہت تنزیہی کا حکم ہے۔

(۵) اسی طرح بلی کا پیشاب کپڑوں پر لگ جائے تو معاف ہے اسی پر فتویٰ ہے، کیوں کہ کثرت اختلاط کی وجہ سے اس میں حرج ہے (بخلاف برتن کے کہ اس میں معاف نہیں)[2]

(۶) دودھ دوہتے وقت بکری کی مینگنی دودھ میں گرگئی تو بوجہ حرج وضرورت دودھ پاک ہے۔ (البتہ اگر مینگنی دودھ میں ٹوٹ گئی تو دودھ ناپاک ہوگیا)[3]

(۷) اگر بے وضو یا بے غسل شخص نے یعنی محدث یا جنبی نے کسی مٹکے یا ڈول یا برتن کے پانی میں ہاتھ ڈالا اور مقصد پانی یا اس میں گری ہوئی چیز نکالنا تھا تو اس سے پانی مستعمل نہ ہوگا، کیوں کہ اس میں ضرورت ہے (البتہ اگر بلا کسی ضرورت یوں ہی ہاتھ

← وقر الحنطة فطحنت والبعرة فيها إذا وقعت في وقر دهن لم يفسد الدقيق والدهن مالم يتغير طعمهما، قال الفقيه ابو الليث وبه نأخذ (هندیہ:۱/۴۶)

(۱) هذا إذا كان الانتضاح على الثياب والأبدان أما إذاانتضح في الماء فإنه ينجسه ولايعفى عنه لأن طهارة الماء آكد من طهارة الأبدان والثياب والمكان (ہندیہ:۱/۴۶)

(۲) وفي الأشباه بول السنور في غير الأواني عفو، وعليه الفتوىٰ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۱/۵۲۴)

(۳) البعر إذا وقع في المحلب فرمي من ساعته لابأس به وإن تفتت البعر في اللبن يصير نجساً لايطهر بعد ذالك (ہندیہ:۱/۴۷)

ڈالا تو اس سے پانی مستعمل ہو جائے گا)[۱]

فائدہ: جاننا چاہئے کہ عموم بلوی کا اعتبار صرف نجاست کے باب میں ہے، حلت وحرمت میں اس کا اعتبار نہیں۔[۲]

نوٹ: نجاست حقیقیہ سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔
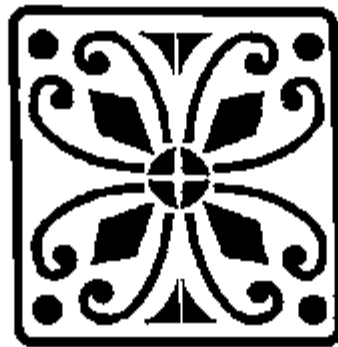
(۱) إذا أدخل المحدث او الجنب أو الحائض اللتی طهرت يده في الماء للاغتراف لایصیر مستعملا للضرورة ..وكذا اذا وقع الكوز في الحب فادخل يده فيه إلى المرفق لإخراج الكوز لايصير مستعملا، بخلاف ما إذا أدخل يده في الاناء أو رجله للتبرد فإنه يصير مستعملا لعدم الضرورة (ہندیہ: ۲۲/۱- بدائع: ۲۱۳/۱)

(۲) (احسن الفتاویٰ: ۵۴۴/۶)

كتاب الصلاة

اوقات نماز کا بیان

۵۸- **ضابطہ:** ہمارے دیار: ہندو پاک وغیرہ میں صبح صادق سے طلوع آفتاب کا وقت کم از کم ایک گھنٹہ ۱۸ر منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ر منٹ ہوتا ہے۔ اور اتنا ہی وقت غروب آفتاب سے غروب شفق ابیض تک رہتا ہے۔[۱]

تشریح: یعنی موسم کے لحاظ سے وقت اس کے درمیان ہی رہتا ہے اس سے باہر نہیں جاتا۔ البتہ کہیں محل وقوع کے فرق کی بنا پر قدرے کم و بیش ہوتا ہے۔

پس گرمیوں میں احتیاطاً ایک گھنٹہ ۴۰ر منٹ اور سردیوں میں ایک گھنٹہ ۳۰ر منٹ طلوع آفتاب کے رہ جانے پر سحری چھوڑ دینی چاہئے —— اسی طرح عشا کی اذان و نماز میں بھی مذکورہ وقت کا خیال رکھنا چاہئے۔[۲]

۵۹- **ضابطہ:** جن نمازوں کے بعد سنن نہیں ہیں ان کے بعد نوافل و واجب لغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔

تشریح: پس فجر اور عصر کے فرض پڑھنے کے بعد نوافل اور واجب لغیرہ (مثلاً نذر اور طواف کی دو رکعت) پڑھنا مکروہ ہے (ان کے علاوہ باقی نمازیں: جیسے قضا نماز، سجدۂ تلاوت، نماز جنازہ وغیرہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں)[۳]

---

(۱) (عمدۃ الفقہ: ۲/۲۶) (۲) (عمدۃ الفقہ: ۲/۲۶، ملخصا) (۳) وكره نفل......ولو كل ما كان واجبا لا لعينه بل لغيره...... كمنذور وركعتي الطواف...... بعد صلاة فجر وعصر...... لا يكره قضاء فائتة ولو وترا او سجدة تلاوة وصلاة جنازة (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۲/۳۶)

نماز کی شرطوں کا بیان

۶۰-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جس کو نمازی اٹھائے ہوئے ہو اور اس کے اٹھانے کی نسبت بھی نمازی کی طرف ہو تو اس کا پاک ہونا ضروری ہے۔ [۱]

تفریع: پس اگر نمازی نے اتنا چھوٹا بچہ جو خود سنبھلنے کی سکت نہیں رکھتا اٹھا رکھا ہو یا وہ بچہ آ کر (بقدر ایک رکن یعنی تین تسبیح کہنے کی مقدار) نمازی کی گود میں بیٹھ گیا، یا اس سے چمٹ گیا، اس حال میں کہ بچہ کے جسم پر یا کپڑوں میں ایسی نجاست ہو جو مانع نماز ہے (جیسے بچہ کو پیڈ (HAGEEZ) باندھ رکھا ہے اور اس میں اس نے پیشاب یا پاخانہ کر رکھا ہے) تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ نمازی اس نجاست کا حامل ٹھہرے گا۔

لیکن اگر بچہ ایسا ہو کہ خود سنبھل سکتا ہے، نمازی کے تھامنے کا محتاج نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی، اگر چہ بہت دیر تک ٹھہرا رہے، کیوں کہ اب نجاست لڑکے کی طرف منسوب ہوگی، نمازی اس کا حامل نہیں ٹھہرے گا (مگر یہ کہ خود نمازی ہی نے اس بچہ کو اٹھایا ہو یعنی اپنے فعل سے تھام رکھا ہو) —— یہی حکم نجس کبوتر وغیرہ کا ہے جبکہ وہ نمازی کے اوپر بیٹھ جائے، یعنی نماز جائز ہو جائے گی، کیوں کہ وہ اپنی قوت و سہارے سے بیٹھتا ہے، نمازی اس کا حامل شمار نہیں ہوتا۔ [۲]

---

(۱) ثم الشرط.. طهارة بدنه ..وثوبه وكذا كل مايتحرك بحركته أو يعد حاملاً له (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۷۳/۲، باب شروط الصلوٰة) إنمايعتبر المانع مضافاً إلى المصلي.الخ (شامی: ۵۲۱/۱، باب الأنجاس) (۲) لوجلس الصبي أو الحمام المتنجس في حجره جازت صلاته لو الصبي متمسكا بنفسه لأنه هو الحامل، بخلاف غير المتمسك كالرضيع الصغير حيث يصير مضافاإليه (شامی: ۵۲۱/۱، باب الأنجاس، الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۷۳/۲ باب شروط الصلاة) ويفسدها اداء ركن حقيقة اتفاقاً أوتمكنه منه بسنة وهو قدر ثلاث تسبيحات مع كشف عورة أو نجاسة مانعة ..عند الثاني وهو المختار في الكل (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۸۶/۲، باب مايفسد الصلاة)

۶۱- **ضابطہ**: نجاست جب تک اپنے معدن میں ہو اس پر نجاست کا حکم نہیں لگتا۔(۱)

تفریع: پس اگر نمازی کے جیب میں ایسا انڈا ہے جسکی زردی خون ہوگئی ہے یا انڈے میں مرا ہوا بچہ ہے تو کوئی حرج نہیں نماز ہو جائے گی، کیوں کہ یہ نجاست اپنے معدن میں ہے اور وہ نماز کے لئے مانع نہیں، جیسا کہ خود نمازی کے پیٹ میں نجاست رہتی ہے۔

لیکن اگر پیشاب یا خون کی شیشی جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی، اگر چہ اس شیشی کو کتنا ہی بند کرلے، کیوں کہ یہ نجاست اپنے معدن سے نکلی ہوئی ہے، پس اس کو جیب میں رکھنے سے وہ حامل نجاست ٹھہرے گا۔(۲)

۶۲- **ضابطہ**: اگر (کپڑے وغیرہ پر) نجاست لگنے کا وقت معلوم نہ ہو تو اس نجاست کو اس کے قریبی وقت کی طرف منسوب کریں گے۔(۳)

جیسے اگر نجاست منی ہے تو سونے کے وقت سے نجس شمار کرے اور پاخانہ یا پیشاب ہے تو استنجا کے وقت سے اور نکسیر کا خون ہے یا قے ہے تو آخری نکسیر پھوٹنے یا قے ہونے کے وقت سے نجس شمار کرے۔ اور اگر ایسی نجاست ہے جس کا کوئی قریبی وقت معلوم نہیں (جیسے زخم کا خون وغیرہ) تو دیکھنے کے وقت سے نجس شمار کرے، اور اسی حساب سے نمازوں کا اعادہ کرے۔(۴)

۶۳- **ضابطہ**: ناپاک زمین خشک ہونے کے بعد پاک ہو جاتی ہے، لیکن پاک کرنے والی نہیں ہوتی (جیسا کہ ماء مستعمل طاہر ہے مگر مطہر نہیں)(۵)

---

(۱) والشیء مادام فی معدنه لایعطی له حکم النجاسة (شامی: ۲/۴۷۲- البحر الرائق: ۱/۴۶۵) (۲) (شامی: ۲/۴۷۲- البحر الرائق: ۱/۴۶۵) (۳) (قواعد الفقہ: ۵۸)

(۴) (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱/۳۷۸، فصل فی البئر- الاشباہ والنظائر: ۱/۲۰۳)

(۵) خرج الأرض المتنجسة إذا جفت، فإنها کالماء المستعمل (الدر المختار) ......لأن هذه الأرض طاهرة غیر مطهرة (شامی: ۱/۳۹۱)

تفریع: پس ایسی زمین پر نماز پڑھنا جائز ہوگا، لیکن اس پر تیمم جائز نہ ہوگا (کیوں کہ تیمم میں "صعیداطیبا" کی قید ہے پس اس میں کامل طہارت ضروری ہے)

۶۴- **ضابطہ**: نماز میں اپنا ستر دوسروں سے چھپانا تو فرض ہے مگر اپنے آپ سے چھپانا فرض نہیں۔ (۱)

تفریع: پس اگر صرف قمیص پہن کر نماز پڑھی اور وہ قمیص ایسی تھی کہ گریبان میں سے ستر نظر آتا ہے اور اس نے ستر دیکھا بھی، تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی یہی صحیح ہے (لیکن نماز میں قصداً اپنے ستر کی طرف نظر کرنا مکروہ تحریمی ہے)۔ (۲)

۶۵- **ضابطہ**: نیت کا اصل مدار دل پر ہے نہ کہ زبان پر۔ (۳)

تفریع: پس اگر کسی نے ظہر کے بجائے سہواً عصر کہہ دیا تو اگر دل میں ظہر ہی ہے اور زبان سے عصر نکل گیا تو نماز ہوگئی، زبان کی غلطی کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور اگر دل میں بھی عصر ہے تو نماز نہیں ہوئی، دوبارہ صحیح نیت کر کے تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز شروع کرنا لازم ہے۔ (۴)

فائدہ: نیت سے مراد قلب کا استحضار ہے، اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے کہ کونسی نماز پڑھتا ہے تو بغیر سوچے فوراً جواب دے، اگر بغیر سوچے جواب نہیں دے سکتا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ (۵)

۶۶- **ضابطہ**: نیت کا اعتبار نماز شروع کرنے سے پہلے ہے بعد میں نہیں۔ (۶)

تفریعات:

(۱) پس اگر غلطی سے دوسری نماز شروع کردی تو اب تکبیر تحریمہ کے بعد نیت صحیح

---

(۱) (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۸۳/۲) (۲) (حاشیۃ الطحطاوی: ۲۱۱) (۳) (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹۰/۲) (۴) فلو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهوا اجزئه (شامی: ۹۱/۲) (۵) وادناه ان يصير بحيث لو سئل عنها امكنه ان يجيب من غير فكر (شامی: ۹۲/۲، البحر: ۴۸۲/۱) (۶) ولا عبرة بنية متاخرة عنها على المذهب (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹۴/۲، کبیری: ۲۴۳)

نہیں، بلکہ نئے سرے سے نیت کر کے تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز شروع کرے (ہاتھوں کو اٹھانا ضروری نہیں)

(۲) اسی طرح اگر فرض نماز شروع کی، پھر نماز ہی میں نفل کی نیت کر لی، یا اس کے برعکس کیا تو اس کا اعتبار نہیں، یعنی یہ نیت صحیح نہیں، پہلی ہی نماز جاری رہے گی (البتہ اگر نیت کے ساتھ تکبیر تحریمہ بھی کہی تو پہلی نماز سے نکل گیا اور دوسری نماز شروع ہوگئی۔ اور اگر صرف نیت کی، تکبیر تحریمہ نہیں کہی تو پہلی نماز سے نہیں نکلا، کیوں کہ محض نماز کو توڑنے یا بدلنے کی نیت سے نماز سے نہیں نکلتا جب تک کہ دوسری نماز کی نیت کر کے تکبیر نہ کہے یا نماز کو توڑنے والا کوئی اور عمل نہ پایا جائے)[۱]

۶۷- **ضابطہ**: صحت صلوۃ کے لئے استقبال قبلہ شرط ہے، لیکن اس کی نیت شرط نہیں (یہی راجح ہے)[۲]

تفریع: پس نماز عیدین وغیرہ کی نیت میں اس بات کی جو تاکید کی جاتی ہے کہ منہ میرا قبلہ کی طرف اس کی ضرورت نہیں۔

۶۸- **ضابطہ**: بیت اللہ شریف سے پینتالیس درجہ (ربع قوس) تک انحراف نماز کو فاسد نہیں کرتا۔

(پینتالیس درجہ یا اس سے زیادہ انحراف ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی)[۳]

۶۹- **ضابطہ**: ہر وہ شخص جو استقبال قبلہ سے عاجز ہو حقیقتاً یا حکماً تو اس کا قبلہ جہت قدرت یا جہت تحری ہے۔[۴]

جیسے: (۱) اگر کوئی مریض اس حالت میں ہو کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا اس کے لئے

---

(۱) ولو افتتح الظهر لم نوى التطوع أو العصر او الفائتة أو الجنازة وكبر يخرج عن الأول ويشرع في الثاني والنية بدون التكبير ليس بمخرج، كذا في التاتارخانية (ہندیہ: ۱/۶۶، کبیری: ۲۱۸ - ۲۱۹) (۲) ونية استقبال القبلة ليست بشرط مطلقاً على الراجح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۱۰۵، کبیری: ۱۹۱) (۳) (احسن الفتاوی: ۲/۳۱۳، تحفۃ الالمعی: ۲/۱۶۷) (۴) استقبال عاجز عنها لمرض او خوف عدو او اشتباه ←

ممکن نہ ہو تو جس طرف بھی ممکن ہو نماز پڑھ لے[1] (البتہ اگر کوئی رخ پھیرنے والا موجود ہو تو صاحبین کے نزدیک قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، بلکہ منیۃ و درر وغیرہ میں اس قول کو بلا کسی اختلاف کے نقل کیا ہے)[2]

(۲) اسی طرح قبلہ رخ ہونے میں دشمن یا درندہ کا خوف ہو یا مال کے چوری ہونے کا اندیشہ ہو خواہ اپنا مال ہو یا امانت کا (بشرطیکہ اس مال کو قبلہ کی طرف منتقل نہ کیا جا سکتا ہو) تو جس طرف امن ہو اس طرف نماز پڑھ لے۔[3]

(۳) اسی طرح اگر سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور نہ معلوم کرنے کی کوئی صورت ہو تو (یہ حکماً عاجز ہوتا ہے) اس وقت حکم یہ ہے کہ تحری (غور و فکر) کرے (یہ تحری کرنا فرض ہے) پھر جس طرف قلب شہادت دے اس طرف نماز پڑھے، پھر نماز کے بعد اگر غلطی معلوم ہو تو مضائقہ نہیں، نماز صحیح ہو گئی، البتہ اگر نماز کے اندر تحری بدل جائے یا کوئی شخص دوسری سمت قبلہ ہونے کی اطلاع دے تو نماز کے اندر ہی اس جانب پھر جانا ضروری ہے، اب سابقہ تحری پر نماز صحیح نہ ہو گی۔[4]

نماز کے ارکان کا بیان

۷۰- ضابطہ: وہ تمام شرطیں جو نماز کے لئے ہیں وہ تحریمہ کے لئے بھی ہیں[5]

← فجهة قدرته أو تحريه قبلة له حكما (شامی:۲/۱۰۸)

---

(۱) وقبلة العاجز عنها لمرض وإن وجد موجها عند الإمام ...... جهة قدرته ...... لأن الطاعة بحسب الطاقة (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۱۱۵) (۲) فليزمه عندهما التوجه إن وجد موجهاً وبقولهما جزم في المنية والمنح والدرر والفتح بلا حكاية خلاف (شامی:۲/۱۱۴) (۳) أي خوف ذهابه بسرقة أو غيرها إن استقبل، وسواء كان المال ملكه أو أمانة قليلا أو كثيراً (شامی:۲/۱۱۵) (۴) أو علم به في صلاته أو تحول رأيه ولو في سجود السهو استدار وبنى (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۱۱۶، ہدایہ:۱/۷۹)
(۵) وإنما اشترط لها ما اشترط للصلاة..... (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۱۳۱)

تشریح: پس نجاست سے پاک ہونا؛ وقت کا داخل ہونا؛ قبلہ کی طرف رخ کرنا؛ ستر کا چھپانا؛ وغیرہ۔ جس طرح باقی ارکان نماز میں شرط ہیں تحریمہ کے لئے بھی شرط ہیں۔

۷۱- **ضابطہ**: ہر وہ نماز جو فرض ہے یا ملحق بہ فرض ہے اس میں قیام فرض ہے[۱]

تشریح: پس پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ نماز وتر، نماز نذر، نماز عیدین اور اصح قول کی بنا پر فجر کی دو رکعت سنت میں قیام فرض ہے، بلا عذر بیٹھ کر یہ نمازیں جائز نہیں۔[۲]

۷۲- **ضابطہ**: رکوع کی ادنی حد یہ ہیکہ اتنا جھکے کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں (پورا رکوع یہ ہیکہ اس طرح جھکے کہ سر، پیٹھ اور سرین ایک سیدھ میں ہو جائیں)[۳]

تفریعات:

(۱) پس اگر مسبوق نے امام کو رکوع میں پایا اور تکبیر کہہ کر رکوع میں گیا، لیکن اس کے ہاتھ ابھی گھٹنوں تک نہیں پہنچے کہ امام رکوع سے کھڑا ہو گیا تو مسبوق کی یہ رکعت شمار میں نہیں آئے گی۔

(۲) اسی طرح اگر کوئی شخص دعائے قنوت بھول گیا اور رکوع میں جا رہا تھا کہ فوراً یاد آیا اور واپس آ گیا تو اگر اس کے ہاتھ گھٹنے تک پہنچ گئے تھے تو سجدۂ سہو واجب ہو گیا، ورنہ واجب نہیں۔

۷۳- **ضابطہ**: سجدے میں پیشانی کا جمنا اور ٹھہرنا ضروری ہے۔[۴]

تفریع: پس اگر کسی نے دبنے والے بستر یا نرم گدے یا گھاس وغیرہ پر سجدہ کیا اور اس کا ماتھا پورا نہ جما یعنی اور دباتا تو دب جاتا تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔[۵]

(۱) (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۱۳۱-۱۳۲) (۲) ومنها القيام ...... في فرض وملحق به كنذر وسنة الفجر في الأصح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۱۳۱-۱۳۲) (۳) ومنها الركوع بحيث لو مد يديه نال ركبتيه (الدر المختار) وأما كماله فبانحناء الصلب حتى يستوي الرأس بالعجز وهو حد الاعتدال فيه شامی: ۲/۱۳۲) (۴) وأن يجد حجم الأرض (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۲۰۶) (۵) ولو سجد على الحشيش أو التبن أو على القطن ←

۷۴- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جس کا تعلق قول سے ہے (مثلاً قراءت، تشہد، طلاق، یمین وغیرہ) اس میں آہستہ کی حد یہ ہے کہ اتنی آواز سے کہے کہ خود سن سکے، ورنہ اس کا وجود معتبر نہ ہوگا۔ (۱)

تفریع: پس اگر کوئی شخص نماز میں اتنی آہستہ آواز سے قرأت کرے کہ اپنی آواز خود بھی سن نہ سکے تو اس کی نماز نہ ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں قرأت کا وجود ہی نہ ہوگا، یہ ہندوانیؒ کا قول ہے، بہت سے محققین نے اسے اختیار کیا ہے اور شامی میں اسی کو اصح کہا ہے۔ (۲)

فائدہ: ایک قول امام کرخیؒ اور بلخیؒ کا ہے کہ صرف تصحیح حروف کافی ہے، اگر اس کے مطابق بھی عمل کرلیا جائے تب بھی بعض فقہاء کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے، البتہ پہلے قول پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے، احتیاط اسی میں ہے۔ (۳)

۷۵- **ضابطہ**: ہر اضطراری حالت میں مختصر قراءت کرنا مسنون ہے۔ (۴)

جیسے کوئی دشمن وغیرہ کا خوف ہو؛ یا کہیں سفر وغیرہ میں چلنے کی جلدی ہو؛ یا گاڑی چھوٹنے کا اندیشہ ہو؛ تو سنت یہ ہے کہ الحمد کے ساتھ حسب حال جونسی سورت چاہے

← ......إن استقرت جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز وإن لم تستقر لا (ہندیہ: ۷۰/۱)

(۱) وأدنى الجهر إسماع نفسه...... ويجر ذالك في كل مايتعلق بالنطق (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲۵۳/۲) (۲) فشرط الهندواني والفضلي لوجودها: خروج صوت يصل إلى أذنه وبه قال الشافعي ...... ولم يشترط الكرخي وأبو بكر البلخي السماع، واكتفيا بتصحيح الحروف. واختار شيخ الإسلام وقاضيخان وصاحب المحيط والحلواني قول الهندواني ...... فقد ظهر بهذا أن أدنى المخافتة إسماع نفسه أو من بقربه من رجل أو رجلين مثلاً، وأعلاها تصحيح الحروف كما هو مذهب الكرخي، ولاتعتبر هنا في الأصح۔ (شامی: ۲۵۲/۲) (۳) فتاوی رحیمیہ: ۲۳۶/۷، امداد الفتاوی: ۲۳۵/۱۔ (۴) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲۶۱/۱۔

پڑھ لے یا قرآن میں سے کم از کم تین چھوٹی آیتوں کے بقدر پڑھ لے۔اچانک بارش آجائے اور لوگ بھیگنے لگیں؛ یا سخت سردی ہو یا گرمی ہو اور لوگوں کے لئے لمبی قراءت سننا دشوار ہو: یہ سب صورتیں اضطرار میں شامل ہیں۔

۷۶- **ضابطہ:** پہلی رکعت کی سورت اور دوسری رکعت کی سورت کے درمیان ہر اس سورت کو چھوڑنا بلا کراہت جائز ہے جس کے پڑھنے سے دوسری رکعت کا پہلی رکعت سے لمبا ہونا لازم آئے؛ یا وہ (چھوڑی ہوئی) سورت اتنی بڑی ہو کہ جس میں دو رکعت ادا ہو سکے (یعنی چھ آیات والی ہو)(۱)

(پس درمیان میں سورت چھوڑنے کے متعلق جو کراہت منقول ہے وہ اس سے چھوٹی سورت کے چھوڑنے میں ہے)

۷۷- **ضابطہ:** قراءت کے مکروہات کا تعلق فرائض سے ہے نوافل میں یہ مطلقاً جائز ہے۔(۲)

جیسے: (۱) دو رکعت میں ایک سورت پڑھے اور درمیان سے ایک آیت چھوڑ دے تو یہ فرض میں مکروہ ہے، نوافل میں مکروہ نہیں۔

(۲) اسی طرح ایک رکعت میں الگ الگ جگہوں سے دو سورتیں پڑھنا فرائض میں مکروہ ہے،(۳) نوافل میں حرج نہیں۔

---

(۱) اما بسورة طويلة بحيث يلزم منه اطالة الركعة الثانية اطالة كثيرة فلايكره (شامی:۲/۲۶۹) ويكره فصله بسورة بين سورتين قراهما في ركعتين...... وقال بعضهم: لايكره إذا كانت السورة طويلة كما لو كان بينهما سورتان قصيرتان (مراقی الفلاح) وفي الطحطاي: هو الأصح كذا في الدرة المنيفة (طحطاوی:۳۵۲)

(۲) ولا يكره في النفل شيء من ذالك (الدر المختار:۲/۲۶۹) قوله: ولا يكره هذا في النفل يعني القرأة منكوسا والفصل والجمع ......الخ (طحطاوی:۳۵۲) (۳) اما في ركعة فيكره الجمع بين سورتين بينهما سور أو سورة فتح . (شامی:۲/۲۶۹)

(۳) اسی طرح دونوں رکعت میں ایک ہی سورت پڑھنا فرائض میں مکروہ تنزیہی ہے، (۱) نوافل میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۴) نیز ایک ہی سورت کو تقسیم کر کے دو رکعت میں پڑھے تو کوئی حرج نہیں، البتہ دو سورتوں کے آخر یا درمیان سے پڑھنا فرائض میں خلاف اولیٰ ہے، احیاناً ہو تو حرج نہیں، (۲) اور نوافل میں مطلقاً اجازت ہے۔

(۵) اسی طرح قصداً خلاف ترتیب قراءت کرنا یعنی پہلی رکعت میں لایلف اور دوسری میں الم تر پڑھنا فرائض میں مکروہ تحریمی ہے اور نوافل میں بہرصورت کوئی کراہت نہیں۔ (۳)

۷۸- **ضابطہ**: خلاف ترتیب قرآن پڑھنے سے تکرار اھون ہے۔ (۴)

تفریع: پس اگر غلطی سے پہلی رکعت میں سورۂ ناس پڑھ لی تو اب دوسری رکعت میں بھی سورۂ ناس ہی پڑھے۔

۷۹- **ضابطہ**: مکروہ شی کا ارتکاب اگر سہواً ہو جائے تو اس میں کراہت کا حکم نہیں رہتا۔ (۵)

جیسے اگر دوسری رکعت میں سورت شروع کرنے کے بعد یاد آیا کہ ایک چھوٹی سورت

---

(۱) لاباس أن يقرء سورة ويعيدها في الثانية (درمختار) افاد أنه يكره تنزيهاً (شامی: ۲/۲۶۸) (۲) قال في النهر: وينبغي أن يقرء في الركعتين آخر سورة واحدة لا آخر سورتين فإنه مكروه عند الأكثر. لكن في شرح المنية عن الخانية: الصحيح انه لايكره، وينبغي أن يراد بالكراهة المنفية التحريمة (شامی: ۲/۲۶۸، ہندیہ: ۱/۷۸) (۳) افاد أن التنكيس أو الفصل بالقصيرة إنمايكره إذا كان عن قصدٍ فلو سهواً فلا كمافي شرح المنية (شامی: ۲/۲۶۹) (۴) التكرار اهون من القراءة منكوساً (شامی: ۲/۲۶۸) (۵) إنمايكره إذا كان عن قصدٍ فلو سهواً فلا كمافي شرح المنية (شامی: ۲/۲۶۹، ہندیہ: ۱/۷۹)

کا فاصلہ رہ گیا ہے، یا ترتیب الٹ گئی ہے تو کوئی حرج نہیں، اب اسی طرح پڑھتا رہے، چھوڑ نہ دے (کیوں کہ سہواً ایسا ہو جانے پر کراہت نہیں آتی، پس جب کراہت نہیں آئی تو اب جس کو شروع کیا ہے اس کو چھوڑنا مکروہ ہوگا کہ اس میں اعراض کا وہم ہے)

اسی طرح دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے بقدر تین آیت یا اس سے زیادہ لمبا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن سہواً ہو جائے تو حرج نہیں۔ (۱)

۸۰- **ضابطہ:** رکعتوں کی چھوٹائی بڑائی کا حساب کلمات اور حروف سے ہوتا ہے۔ آیتوں سے اس وقت ہوتا ہے جبکہ آیتیں برابر ہوں (یعنی چھوٹی بڑی نہ ہوں) (۲)

تشریح: پس دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے بقدر تین آیت یا اس سے زیادہ لمبا کرنا جو مکروہ تنزیہی ہے اس میں اس ضابطہ کا لحاظ کیا جائے گا۔

فائدہ: یہی وجہ ہے کہ جمعہ کے نماز کی دو سورتیں: "سبح اسم" اور "هل اتٰك" میں اگرچہ دوسری سورت (باعتبار آیات) بڑی ہے، لیکن دونوں سورتوں میں کلمات کے اعتبار سے زیادہ فرق نہیں، پس کراہت نہ ہوگی (علاوہ ازیں ان سورتوں کا پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے لہٰذا کراہت کی کوئی وجہ نہیں) (۳)

قاری کی لغزشیں

۸۱- **ضابطہ:** قراءت میں کلمات و حروف کی ایسی غلطی سے جس سے معنیٰ میں تغیر فاحش ہو جائے نماز فاسد ہو جاتی ہے، خواہ وہ (بدلا ہوا) لفظ قرآن میں ہو یا نہ ہو۔ (۴)

چند فروعات یہ ہیں:

(۱) کسی حرف یا کلمہ کا اضافہ کیا:

---

(۱) واطالة الثانية على الاولىٰ يكره تنزيهاً (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۲۶۳)
(۲) إن تقاربت طولاً وقصراً وإلا اعتبر الحروف والكلمات۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۲۶۳) (۳) واستثنیٰ فی البحر ما وردت به السنة (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۲۶۳) (۴) شامی: ۲/۳۹۳۔

تو اگر معنی نہیں بدلے، جیسے وَنَہٰ عَنِ الْمُنْکَرِ کو وَنَھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ "ی" کے اضافہ کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر معنی بدل جائیں، جیسے مَثَانِی کو مَثَانِیْنَ، یا وَزَرَابِیُّ کو وَزَرَابِیْبَ پڑھا؛ یا اَلذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی میں وَاِنَّ سَعْیَکُمْ یعنی واو بڑھا دیا، یا وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ میں وَاِنَّکَ واو کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (۱)

(۲) کسی حرف یا کلمہ کو چھوڑ دیا:

تو اگر معنی نہیں بدلے، جیسے لَقَدْ جَاءَ ھُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنَاتِ میں ت چھوڑ دی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر معنی بدل گئے، جیسے فَمَالَھُمْ لَایُؤْمِنُوْنَ میں لا کو، یا عَلَی الْکَافِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ میں غَیْرُ کو چھوڑ دیا، یا خَلَقْنَا بغیر خ کے یا جَعَلْنَا بغیر ج کے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی (لیکن اگر ایجاز و ترخیم کے طور پر کوئی حرف حذف کیا اور اس کا جواز عربی میں موجود ہو، مثلاً وَنَادَوْ یَامَالِکُ کے بجائے وَنَادَوْ یَامَالُ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اگرچہ معنی بدل جائیں) (۲)

(۳) ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا:

تو اگر معنی نہیں بدلے، جیسے الْمُسْلِمِیْنَ کی جگہ الْمُسْلِمُوْنَ پڑھا تو نماز فاسد نہ

(۱) وإن غیّر المعنی نحو أن یقرأ: وَزَرَابِیْبَ مبثوثة مکان وَزَرَابِیَّ، أو مثالین مکان مثانی، أو اَلذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی و انّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی، وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ وَاِنَّکَ، بزیادة الواو تفسد، هکذا فی الخلاصة (ہندیہ:۱/۷۹-۸۰)

(۲) إن کان الحذف علی سبیل الإیجاز و الترخیم فإن وجد شرائطه نحو إن قرأ ونادو یامال لاتفسد صلاته، وإن لم یکن علی وجه الإیجاز و الترخیم فإن کان لایغیر المعنی لاتفسد صلاته نحو أن یقرأ ولقد جاء هم رسلنابالبینات بترك التاء، لا (ہندیہ:۱/۷۹) فإن غیر نحو خلقنا بلا خاء أو جعلنا بلا جیم تفسد عند أبی حنیفة ومحمد رحمهما الله (شامی:۲/۳۹۶)

ہوگی۔اور اگر معنی بدل گئے تو اگر وہ دونوں حروف ایسے ہوں کہ ان میں بآسانی جدائی ممکن ہو، جیسے طا اور صاد یعنی صالحات کی جگہ طالحات پڑھ دیا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر ایسے حروف ہوں کہ ان میں بآسانی جدائی ممکن نہ ہو جیسے صاد اور سین، یا ضاد اور ظا، یا طا اور ت، تو اکثر مشائخ کے نزدیک اس سے نماز فاسد نہ ہوگی علماء نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور قاضی امام ابوالحسن فرماتے ہیں کہ اگر قصداً بدلے تو نماز فاسد ہوجائے گی اور بلاقصد (مثلاً اس کی زبان پر بے ساختہ جاری ہوگیا یا وہ ان حروف میں تمیز نہیں کرسکتا تو) نماز فاسد نہ ہوگی، یہ قول بہت مناسب ہے، فتویٰ کے لئے یہی مختار ہے۔ (۱)

(۴) ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے بدل دیا:

تو اگر دونوں کلمے معنی میں قریب قریب ہیں، جیسے اَوّابٌ کی جگہ اَیَابٌ یا عَلِیْمٌ کی جگہ حَکِیْمٌ پڑھا؛ یا قَوَّامُوْنَ بِالْقِسْطِ کی جگہ قَیَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر دونوں کلموں کے معنی میں بہت فرق ہے، جیسے اِنَّا کُنَّا فَاعِلِیْنَ میں فَاعِلِیْنَ کے بجائے غَافِلِیْنَ پڑھ دیا، یا لَفِی جَحِیْمٍ کی جگہ لَفِی جَنّٰتٍ یا اَشْقٰی کی جگہ اَتْقٰی پڑھ دیا تو عام مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی خواہ وہ بدلا ہوا کلمہ قرآن میں ہو یا نہ ہو، اسی پر فتویٰ ہے۔ (۲)

---

(۱) إن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة...تفسد صلاته عند الكل و إن كان لايمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشائخ قال أكثرهم لاتفسد صلاته...... و كثير من المشائخ أفتوابه،قال القاضي الإمام ابو الحسن...... إن تعمد فسدت وإن جرى على لسانه أو كان لايعرف التميز لا تفسد، وهو أعدل الأقاويل والمختار (ہندیہ:۱/۷۹، شامی:۲/ ۳۹۲)(۲)وإن كان في القرآن ولكن لاتقربان في المعنى نحو إن قرأ وعداً علينا إنا كنا غافلين مكان فاعلين ونحوه ممالواعتقده يكفر تفسد عند عامة مشايخنا وهو الصحيح من مذهب أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ هكذا في الخلاصة (ہندیہ:۱/۸۰)

(۵) ایک آیت کے بدلے دوسری آیت کو پڑھا:

تو اگر معنی میں فساد نہیں آیا (یعنی تغیر فاحش نہیں ہوا) تو نماز فاسد نہ ہوگی خواہ وقف کرکے دوسری آیت کو پڑھا ہو یا وصل کرکے۔ اور اگر معنی میں تغیر فاحش ہوگیا تو اگر وقف کرکے پڑھا ہے، جیسے إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پڑھا، پھر وقف کیا پھر أُولٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّه پڑھ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر وقف کئے بغیر ملا کر پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[۱]

(۶) کسی حرف یا کلمہ کو مکرر پڑھا:

تو اگر معنی نہیں بدلے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور اگر معنی بدل گئے، جیسے رَبِّ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، یا مَالِكِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پڑھا تو اگر بے ساختہ زبان سے نکل گیا یا مخرج صحیح کرنے کے لئے مکرر پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن اگر قصداً اضافت کی نیت سے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی بلکہ کفر لازم آئے گا (لیکن اگر پوری آیت مکرر پڑھی تو نماز فاسد نہ ہوگی، کیوں کہ اس سے معنی نہیں بدلتے)[۲]

۸۲- **ضابطہ**: کلمات وحروف کی غلطی کے سوا تشدید، مد، امالہ وغیرہ میں غلطی سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ معنی بدل جائیں۔[۳]

---

(۱) لو ذكر آية مكان إن وقف وقفا تاما ثم ابتدء بآية اخرى أو ببعض آية لا تفسد ......أما إذا لم يقف ووصل إن لم يغير المعنى...... لاتفسد، أما إذا غير المعنى ...... تفسد عند عامة علمائنا وهو الصحيح هكذا في الخلاصة (ہندیہ: ۱/۸۰-۸۱)

(۲) وإن تغير نحو رب رب العالمين ومالك ومالك يوم الدين قال بعضهم لاتفسد والصحيح أنها تفسد ......وإنما سبق لسانه إلى ذالك أو قصد مجرد تكرير الكلمة لتصحيح مخارج حروفها ينبغي علم الفساد ......نعم لو قصد إضافة كل إلى مايليه فلا شك في الفساد بل يكفر (شامی: ۲/۳۹۷)(۳) فلو في اعراب أو تخفيف مشدد وعكسه ......لم تفسد وإن غير المعنى به يفتى (الدر المختار والشامی: ۲/۳۹۴-۳۹۵، وفی الہندیہ: ۱/۸۱)

فائدہ: البتہ اعراب وحرکات کی غلطی میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ: اگر ایسی غلطی کی جس سے معنی بالکل نہیں بدلے یا تغیر فاحش نہیں ہوا تو نماز بالاتفاق فاسد نہ ہوگی اور اگر معنی میں ایسا تغیر ہوگیا کہ جس کو قصداً پڑھنے سے کفر لازم آتا ہے، جیسے وَعَصیٰ آدَمُ رَبَّہٗ میں آدَمُ کی میم کو پیش کے بجائے زبر سے اور رَبَّہٗ کی ب کو زبر کے بجائے پیش سے پڑھا؛ یا اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا میں اللّٰہَ کی ہ کو زبر کے بجائے پیش سے، اور العلماءُ کے ء کو پیش کے بجائے زبر سے پڑھا تو متقدمین کے نزدیک اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور متاخرین میں اختلاف ہے، بہت سوں کے نزدیک (جبکہ قصداً نہ پڑھا ہو) نماز فاسد نہیں ہوتی، اس لئے کہ اکثر آدمی اعراب میں تمیز نہیں کر سکتے یہی اشبہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، پس متاخرین کے قول میں وسعت ہے، مگر احتیاط متقدمین کے قول میں ہے۔ (۱)

تنبیہ: مذکورہ غلطیوں سے اگرچہ نماز فاسد نہیں ہوتی مگر ان کی اصلاح کرنا واجبات تلاوت میں سے ہے، اگر قدرت کے باوجود اصلاح نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

نوٹ: قاری کی لغزشوں سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے آخیر میں ہے۔

امامت اور اقتدا کا بیان

۸۳- **ضابطہ**: ہر وہ شخص جو علانیہ بڑا گناہ کرتا ہو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ (۲)

---

(۱) ومنها اللحن في الاعراب ...... وماقاله المتقدمون أحوط لأنه لو تعمد يكون كفرا ومايكون كفرا لايكون من القرآن .وماقاله المتأخرون أوسع لأن الناس لايميزون بين اعراب واعراب كذا في فتاوى قاضي خان،وهو الأشبه كذا في المحيط،وبه يفتي كذا في العتابية، وهكذا في الظهيرية(ہندیہ:۱/۸۱،شامی:۲/۳۹۳)

(۲) کبیری:۴۷۹۔

جیسے شرابی، جواری، زناکار، سودخور، ریاکار، چغل خور، ڈاڑھی منڈانے والا یا ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں۔
لیکن اگر وہ جبراً امام بن گیا یا مسجد کی منتظمہ نے بنادیا اور ہٹانے پر قدرت نہ ہو تو کسی دوسری مسجد میں صالح امام تلاش کرے، اگر میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑے بلکہ فاسق کے پیچھے ہی نماز پڑھ لے، اب اس کا وبال مسجد کے منتظمین پر ہوگا۔ (۱)

۸۴- **ضابطہ**: ہر ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جس کے عقائد شرک وکفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہوں قطعاً جائز نہیں۔ (۲)

جیسے شیعہ اور قادیانی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اسی طرح بدعتی اگر شرکیہ عقائد رکھتا ہو تو اس کے پیچھے بھی نماز درست نہیں ——— البتہ بدعتی شخص اگر موحِّد ہو (شرکیہ عقائد نہ رکھتا ہو) صرف تیجہ، چالیسواں وغیرہ بدعات کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر صحیح العقیدہ امام میسر نہ ہو تو پھر اسی کے پیچھے نماز پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے، پھر صحیح یہ ہے کہ اس نماز کا اعادہ واجب نہیں۔ امام اگر مودودی (جماعت اسلامی کا) ہو تو بھی یہی حکم ہے (یعنی اگر دوسرا امام میسر نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لے) (۳)

فائدہ: اور اگر امام مسلکاً شافعی، مالکی، حنبلی ہو تو اگر یقین ہو کہ طہارت کے مسائل میں دوسرے مذاہب کی رعایت کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے اور اگر رعایت نہ کرنے کا یقین ہو تو جائز نہیں اور جس کا حال معلوم نہ ہو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ (۴)

---

(۱) مستفاد کبیری: ۴۷۹، شامی: ۲/ ۲۹۷-۲۹۸-۳۰۱، ھدایہ: ۱/ ۲۲۔

(۲) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/ ۳۰۱، بدائع: ۱/ ۳۸۶۔

(۳) مستفاد شامی: ۲/ ۱۹۹، احسن الفتاوی: ۳/ ۲۹۰۔

(۴) إن تیقن المراعاۃ لم یکرہ أو عدمھا لم یصح، إن شک کرہ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/ ۳۰۲، کبیری: ۴۴۴)

اور اگر امام غیر مقلد ہو تو احسن الفتاویٰ میں ہے: آج کل اکثریت غیر مقلدین کی رعایت مذاہب کا خیال نہیں رکھتی، بلکہ عمداً اس کے خلاف کرتی ہے اور اس کو ثواب سمجھتی ہے، اس لئے حتی الامکان غیر مقلدین کی اقتدا نہیں کرنی چاہئے، لیکن بوقت ضرورت ان کے پیچھے نماز پڑھ لے جماعت نہ چھوڑے۔[1]

۸۵- **ضابطہ**: مقتدی کا ارکان ادا کرنے میں امام کے مثل یا کم ہونا ضروری ہے۔[2]

جیسے اگر امام اور مقتدی دونوں رکوع سجدے سے نماز پڑھتے ہیں یا بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھتے ہیں تو یہ جائز ہے، کیوں کہ مقتدی ارکان ادا کرنے میں امام کے مثل ہے ـــــ اسی طرح امام رکوع سجدے سے پڑھتا ہو اور مقتدی پیچھے اشارے سے پڑھتا ہو تو جائز ہے کہ یہ امام سے کم ہونے کی مثال ہے ـــــ لیکن اگر امام اشارہ سے نماز پڑھے اور مقتدی رکوع سجدے سے تو یہ جائز نہیں، کیوں کہ مقتدی کا حال امام سے قوی ہے۔

البتہ اگر امام بیٹھ کر رکوع سجدے سے نماز پڑھے اور مقتدی پیچھے کھڑے ہو کر (خواہ وہ کھڑے کھڑے اشارے سے یا رکوع سجدے سے) نماز پڑھے تو یہ خلاف قیاس حدیث سے ثابت ہے اس لئے اقتدا درست ہے، یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ البتہ معذور امام بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے تو اس کے پیچھے کھڑے ہونے والی کی نماز بالاتفاق درست نہیں۔[3]

۸۶- **ضابطہ**: شرائط نماز (جیسے ستر چھپانا، نجاست سے پاک ہونا وغیرہ) میں مقتدی کا امام کے مثل یا کم ہونا شرط ہے۔[4]

(۱) احسن الفتاویٰ: ۲۸۲/۳۔ (۲) وکونه مثله او دونه فیها ای فی الارکان (شامی: ۲۸۶/۲) (۳) شامی: ۳۲۴/۲-۳۳۶، بدائع ۳۵۰ تا ۳۵۵ ملخصاً۔

(۴) وکون المؤتم مثل الإمام أو دونه فی الشرائط (شامی: ۲۸۶/۲)

تشریح: پس اگر امام ننگا ہو اور مقتدی کپڑے پہنے ہوئے ہو؛ اسی طرح کوئی اور شرط امام میں مفقود ہو اور مقتدی میں وہ پائی جاتی ہو تو اقتدا درست نہیں۔
البتہ وضو کرنے والے کی نماز تیمم کرنے والے کے پیچھے یا خفین یا پٹی پر مسح کرنے والے کے پیچھے جائز ہے، کیوں کہ یہاں مقتدی وصف میں بڑھا ہوا ہے شرط میں نہیں، فافہم۔[۱]

۸۷- **ضابطہ**: امام سے آگے بڑھنے میں اعتبار ایڑی کا ہے۔[۲]

تفریع: پس اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی سے آگے ہوگئی تو اس کی نماز نہ ہوگی ـــــ اور اگر ایڑی برابر ہو تو نماز ہو جائے گی اگر چہ (مقتدی کا قد لمبا ہونے کی وجہ سے) قیام میں پاؤں کی انگلیاں امام کی انگلیوں سے آگے ہو جائیں؛ یا رکوع سجدے میں سر امام کے سر سے آگے ہو جائے؛ یا قعدہ میں گھٹنے امام سے آگے بڑھ جائیں۔[۳]

۸۸- **ضابطہ**: نماز کی کوئی بھی سنت یا مستحب کو پورا کرنے کی خاطر امام کی اتباع ترک کرنا مکروہ ہے (مگر واجبات میں حکم برعکس ہے)[۴]

جیسے اگر مقتدی کی تسبیحات پوری ہونے سے پہلے امام اٹھ گیا یا درود یا دعا سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی پر امام کی اتباع واجب ہے، امام سے پیچھے رہنا مکروہ ہے۔[۵]

لیکن اگر مقتدی کا تشہد پورا نہ ہوا ہو تو اس کو پورا کرنا واجب ہے، کیوں کہ تشہد

---

(۱) شامی: ۳۳۶/۲۔ (۲) ولا عبرة بالراس بل بالقدم......ومعنى المحاذات بالقدم المحاذات بعقبه (شامی: ۲۸۶/۲) (۳) فلو حاذاه بالقدم ووقع سجوده مقدماً عليه لكون المقتدى اطول من إمامه لايضر...... فلايضر تقدم أصابع المقتدى على الإمام حيث حاذاه بالعقب (شامی: ۳۰۸/۲، تاتارخانیہ: ۶۲۲/۱)
(۴) مستفاد شامی: ۱۹۹/۲، ہندیہ: ۹۰/۱۔ (۵) واعلم أنه مما يبتنى على لزوم المتابعة في الأركان، أنه لو رفع الإمام رأسه من الركوع أو السجود قبل أن يتم المأموم التسبيحات الثلاث وجب متابعته. (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱۹۹/۲)

واجب ہے، پس تشہد پڑھ لے پھر امام کی اتباع کرے، اگر تشہد پورا کرنے میں امام ارکان میں آگے چلا جائے تو مقتدی واجبات وفرائض اس کے پیچھے پیچھے ادا کرتا رہے، نماز درست ہوجائے گی۔[۱]

استدراک: البتہ اگر مسبوق نے امام کی اقتدا تشہد کے درمیان کی اور اس کا تشہد ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ امام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا یا چوتھی رکعت تھی اور امام نے سلام پھیر دیا تو اس صورت میں اس کے لئے تشہد پورا کرنا واجب نہیں، البتہ پورا کرے تو بہتر ہے۔[۲]

۸۹- **ضابطہ**: امام اور مقتدی کا مکان (نماز پڑھنے کی جگہ) حقیقتاً یا حکماً ایک ہونا ضروری ہے (ورنہ اقتدا جائز نہ ہوگی)[۳]

تفریعات:

(۱) پس پیدل نماز پڑھنے والی کی اقتدا سوار کے پیچھے یا سوار کی اقتدا دوسری الگ سواری والے کے پیچھے درست نہیں۔

(۲) اسی طرح اگر امام اور مقتدی کے درمیان اتنا بڑا عام راستہ ہو کہ جس پر بیل گاڑی یا سامان سے لدا ہوا گدھا گذر سکتا ہے یا اونٹ کی گذرگاہ کی برابر چوڑا نالہ ہو تو

---

(۱) بخلاف سلامه أو قيامه لثالثة قبل تمام المؤتم التشهد، فإنه لايتابعه بل يتمه لوجوبه، ولو لم يتم جاز (درمختار) وفي الشامية: ولو لم يتم جاز، اي صح مع كراهة التحريمة كما أفاده ح. (شامی:۲/۱۹۹، ہندیہ:۹۰، مراقی:۳۰۹) وإن ركع بعد الإمام وسجد بعده جازت صلاته (ہندیہ:۱۳۱)

(۲) وشمل بإطلاقه مالو اقتدى به في أثناء التشهد الأول، أو الأخير، فحين قعد، قام إمامه أو سلم. ومقتضاه: أنه يتم التشهد ثم يقوم ولم أره صريحاً، ثم رأيته في الذخيرة ناقلاً عن أبي الليث: المختار عندي أن يتم التشهد وإن لم يفعل أجزاه اه. وﷲ الحمد (شامی:۲/۲۰۰) (۳) الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۲۸۵۔

اس سے پیچھے والی صفوں کی اقتدا درست نہیں، کیوں کہ دونوں کا مکان الگ ہو گیا۔ لیکن اگر اس راستے یا نالے کو صفوں سے پر کر دیا گیا ہو تو اب اقتدا درست ہے، کیوں کہ اب امام اور مقتدی کا مکان حکماً ایک ہو گیا۔(١)

(٣) اسی طرح درمیان میں دو صفوں کے بقدر (تقریباً ۸ فٹ) جگہ خالی ہو تو اقتدا درست نہ ہوگی (البتہ مسجد اور عیدگاہ میں یہ فاصلہ مانع نہیں -- اگرچہ بلا ضرورت مکروہ تحریمی ہے- کیوں کہ عیدگاہ اور پوری مسجد اوپر سے نیچے تک مکان واحد کے حکم میں ہے)(٢)

(٤) اور مسجد کے صحن میں جو حوض ہوتا ہے اگر وہ ١٠٠ ہاتھ (تقریباً ٢٢٦ مربع فٹ) یا اس سے بڑا ہو تو اس کے پیچھے سے اقتدا درست نہیں۔ البتہ حوض کی کسی ایک جانب سے پیچھے کھڑے ہونے والوں تک صفیں متصل ہو جائیں تو اب اقتدا درست ہے۔ اور اگر حوض اس سے چھوٹا ہو تو اس کے پیچھے سے اقتدا ہر حال میں جائز ہے۔(٣)

٩٠- **ضابطہ**: ارکان ادا کرنے میں امام کی حالت مقتدی پر مشتبہ نہیں ہونی چاہئے (ورنہ اقتدا درست نہ ہوگی)(٤)

تفریعات:

(١) پس بند دروازے کے پیچھے اگر امام یا مکبر کی آواز پہنچتی ہو تو اقتدا درست ہے

---

(١)(ویمنع من الاقتداء) صف من النساء......(أو طریق تجری فیہ عجلۃ) آلۃ یجرھا الثور (أو نھر تجری فیہ السفن)...... إلاإذا اتصلت الصفوف فیصح مطلقاً (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ٢/٣٣١ تا ٣٣٣، ہندیہ: ١/٨٧)

(٢)والمانع فی الفلوات قدر مایسع فیہ صفین وفی مصلی العید الفاصل لایمنع الاقتداء وإن کان یسع فیہ الصفین أو أکثر (ہندیہ: ١/٨٧) والمسجد وإن کبر لایمنع الفاصل..الخ (شامی: ٢/٣٣٢)(٣) احسن الفتاویٰ: ٣/ ٣٠٧، وشامی: ٢/ ٣٣٣ ملخصاً۔(٤) الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ٢/ ٢٨٦-٣٣٣۔

اور اگر آواز نہ پہنچتی ہو تو درست نہیں، کیوں کہ امام کی حالت مشتبہ رہے گی۔ لیکن اگر دروازہ جالی والا ہو جس میں سے امام کی نقل و حرکت معلوم ہو سکتی ہو خواہ اس کو دیکھ کر یا دوسرے مقتدی کو دیکھ کر تو پھر اقتدا جائز ہے اگر چہ آواز نہ پہنچے، کیوں کہ اب حالت مشتبہ نہیں ہوگی۔ (۱)

(۲) اسی طرح اگر مسجد کی چھت پر نماز پڑھے تو اگر امام کی حالت (یعنی کس رکن میں ہے) وہ مشتبہ نہ ہو تو اقتدا جائز ہے اور اگر مشتبہ ہو یعنی آواز نہ پہنچے یا نقل و حرکت کسی طرح بھی معلوم نہ ہو سکے (نہ امام کو دیکھ کر اور نہ دوسرے مقتدیوں کو دیکھ کر) تو اقتدا جائز نہیں۔ (۲)

۹۱- **ضابطہ**: ایسی دو نمازیں جن میں سے ایک کی بناء دوسرے پر منفرد کے حق میں جائز نہیں، مقتدی کے لئے اپنے امام کی نماز پر بناء جائز نہیں۔ (۳)

تفریعات:

(۱) پس فرض پڑھنے والے کی اقتدا نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں، کیوں کہ فرض کی بناء نفل کے تحریمہ پر منفرد کے حق میں جائز نہیں۔

(۲) اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی اقتدا بیٹھ کر پڑھنے والے کے پیچھے جائز ہے، کیوں کہ قائم کی بناء قاعد پر خود منفرد کے حق میں جائز ہے، جیسے منفرد نے پہلی رکعت بیٹھ کر پڑھی، پھر باقی نماز کھڑے ہو کر پڑھی تو (نفل میں بلا عذر بھی اور فرض میں عذر کے ساتھ) جائز ہے۔

---

(۱) والحائل لایمنع الاقتداء إن لم یشتبہ حال إمامہ بسماع أو رؤیۃ (درمختار) ینبغي أن تکون الرؤیۃ کالسماع، لافرق فیھابین أن یری انتقالات الإمام أو احد المقتدی (شامی: ۳۳۳/۲)

(۲) منحۃ الخالق "علی البحر": ۶۳۵/۱۔

(۳) قواعد الفقہ: ۱۰۱۔

جماعت کا بیان

۹۲-**ضابطہ**: جمعہ وعیدین کے علاوہ ہر نماز کی جماعت کے لئے ایک مقتدی بھی کافی ہے، خواہ وہ مقتدی مرد ہو یا عورت؛ آزاد ہو یا غلام؛ بالغ ہو یا نابالغ سمجھ دار بچہ؛ اور خواہ فرشتہ ہو یا جن۔[1]

۹۳-**ضابطہ**: جمعہ اور عیدین میں (امام کے علاوہ) کم از کم تین ایسے آدمی ہونے ضروری ہیں جو امامت کے اہل ہوں۔[2]

تفریعات:

(۱) پس جمعہ وعیدین میں امام کے پیچھے صرف دو مرد ہوں تو جماعت درست نہ ہوگی۔

(۲) اسی طرح تین آدمی ہوں مگر ان میں کوئی نابالغ بچہ ہو یا عورت ہو یا مجنون ہو تو جماعت صحیح نہ ہوگی۔

(۳) تنہا بچے ہوں یا عورت اور بچے ہوں تب بھی یہی حکم ہے، یعنی جماعت صحیح نہ ہوگی۔

۹۴-**ضابطہ**: نفل نماز میں تداعی (بلاوا) کے ساتھ جماعت مکروہ تحریمی ہے۔[3]

فائدہ: اور فقہاء نے لکھا ہے کہ امام کے سوا چار آدمی ہوں تو یہ عملاً تداعی ہے، پس یہ بھی مکروہ ہے۔[4]

---

(۱) وأقلها اثنان ، واحد مع الإمام، ولو مميزاً أو ملكاً أو جنياً (درمختار) ولو مميزاً أي لو كان الواحد المقتدي صبيا مميزاً......الخ (شامی:۲/۲۸۹)

(۲) هذا في غير جمعة......أي فإن أقلها فيها ثلاثة صالحون للإمامة سوى الإمام ومثلها العيد (شامی:۱/۲۸۹) (۳) الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۵۰۰۔

(۴) يكره ذالك على سبيل التداعي بأن يقتدي أربعة بواحد (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۵۰۰، باب الوتر والنوافل)

٩٥- **ضابطہ**: جس مسجد میں مؤذن، امام اور نمازی معین ہوں وہاں دوسری جماعت اذان واقامت کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے اور جو مسجد ایسی نہ ہو اس میں مکروہ نہیں (١)

تشریح: پس راستے اور اسٹیشن وغیرہ کی مسجد جس میں امام اور مؤذن معین نہ ہوں یا نمازی معین نہ ہوں وہاں تکرار جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں، بلکہ افضل ہے، اگرچہ تکرار اذان واقامت کے ساتھ اور ہیئت اولیٰ پر ہو۔ (٢) ——— اور محلّہ کی مسجد جہاں امام اور نمازی معین ہوتے ہیں تکرار جماعت مکروہ ہے۔

فائدہ: البتہ اگر محلّہ کی مسجد میں دوسری جماعت بغیر اذان واقامت کے ہو اور ہیئت بدل دی جائے یعنی امام محراب سے ہٹ کر کھڑا ہو (محراب کی محاذاۃ میں نہ ہو) تو اس میں اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں کوئی کراہت نہیں، جبکہ طرفین (امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک یہ صورت بھی مکروہ ہے، کیوں کہ جماعت ثانیہ بہر صورت جماعت اولیٰ میں سستی اور کمی کا ذریعہ بنے گی، نیز افتراق وانتشار کا بھی سبب ہے، یہی ظاہر الروایہ ہے۔

البتہ کبھی اتفاقاً مسجد کی حد سے باہر صحن وغیرہ میں جماعت کی جائے تو حرج نہیں، کہ شامی میں امام ابو یوسف کے قول کو صحیح کہا ہے اور تاتارخانیہ میں ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ (٣)

---

(١) شامی: ٢/٦٤-٢٨٨۔ (٢) إلا في مسجد طريق هو ماليس له إمام ومؤذن راتب فلا يكره التكرار فيه بل الأفضل (شامی: ٢/٦٣ باب الاذان) وفي باب الإمامة ص ٢٨٨: والمراد بمسجد المحلة: ماله إمام وجماعة معلومون كما في الدرر۔

(٣) ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة، لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يستعجلون فتكثر، وإلا تأخروا، بدائع. وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ماصلى أهله فيه فإنهم يصلون وحداناً، وهو ظاهر الرواية، ظهيرية...... وعن أبي يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لاتكره، وإلا فتكره وهو ←

۹۶- **ضابطہ**: وہ شخص جس کی مسجد کی حاضری سے لوگوں کو تکلیف ہو اس کے لئے جماعت کی نماز میں آنا جائز نہیں۔[۱]

جیسے اگر کسی کے منھ یا بغل یا جسم کے کسی حصے سے بدبو آتی ہو جس کی وجہ سے جانبین کے مقتدیوں کو تکلیف ہوتی ہو تو ایسے شخص کی جماعت میں شرکت جائز نہیں، تنہا علاحدہ نماز پڑھے (ہاں البتہ دافع بدبو یعنی عطر وغیرہ سے بدبو دور ہو جاتی ہو اور وہ اس کے استعمال پر قادر بھی ہو تو پھر بدبو دور کر کے جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے)

اسی طرح قصائی، مچھیرے وغیرہ کے کپڑوں سے بدبو آتی ہو یا جذامی یا کوڑی سے لوگ نفرت کرتے ہوں تو ان کی بھی جماعت میں شرکت درست نہیں۔[۲]

مسبوق اور لاحق کا بیان

تمہید: مسبوق وہ ہے: جس کی شروع کی کچھ رکعتیں امام کے ساتھ چھوٹ گئی ہوں۔ اور لاحق وہ ہے: جس نے نماز کا ابتدائی حصہ امام کے ساتھ پایا ہو، لیکن آخر نماز کا کل یا بعض حصہ نیند یا نقض وضو کی وجہ سے امام کے ساتھ فوت ہو گیا۔

۹۷- **ضابطہ**: مسبوق (امام کے سلام کے بعد) اپنی فوت شدہ نماز میں منفرد کا حکم رکھتا ہے۔ اور لاحق مقتدی کا حکم رکھتا ہے۔[۳]

← الصحیح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية اه. وفي التاتارخانية: عن الولوالجية: وبه نأخذ (شامی:۲/۲۸۸-۲۸۹)

(۱) مستفاد شامی:۲/۴۳۵، مطلب في احكام المسجد۔

(۲) و كذالك الحق بعضهم بذالك من فيه بخر أو به جرح له رائحة و كذالك القصاب والسماك والمجذوم والأبرص اولى بالإلحاق (شامی:۲/۴۳۵، مطلب فی احکام المسجد)

(۳) الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۳۴۵-۳۴۶۔

تفریعات:

(۱) پس امام کے سلام کے بعد مسبوق جب کھڑا ہو تو قراءت کرے گا اور قراءت سے پہلے ثنا اور تعوذ بھی پڑھے گا، اور لاحق قراءت وغیرہ کچھ نہیں پڑھے گا، بلکہ تھوڑی دیر خاموش کھڑا رہے گا پھر رکوع کرے گا، کیوں کہ امام کے سلام کے بعد مسبوق اپنی الگ نماز شروع کرتا ہے اور لاحق اب بھی حکماً امام کے پیچھے ہوتا ہے۔(۱)

(۲) اسی طرح امام کے سلام کے بعد اگر مسبوق نے کوئی سہو کیا مثلاً امام کے سلام کے بعد بھول سے خود نے بھی سلام پھیر لیا یا کوئی واجب ترک کیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، اور اگر لاحق نے یہ کیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا، کیوں کہ لاحق مقتدی کے حکم میں ہے اور مقتدی کے سہو سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔(۲)

(۳) اسی پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوگا کہ اگر امام قعدۂ اخیرہ کرنے کے بعد کھڑا ہو گیا تو اگر مسبوق بھی اس کی اتباع میں کھڑا ہو گیا تو کھڑے ہوتے ہی اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ وہ اس وقت منفرد کے حکم میں ہے، اتباع مفسد نماز ہے، بخلاف لاحق کے، کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔(۳)

۹۸- **ضابطہ:** مقیم جب مسافر کی اقتدا کرے تو امام کے سلام کے بعد وہ لاحق کے حکم میں ہوتا ہے۔(۴)

تفریع: پس وہ امام کے سلام کے بعد باقی دو رکعت بغیر قراءت کے ادا کرے گا۔ اور ان دو رکعت میں کوئی سہو ہو جائے تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔

---

(۱) وحكمه (اى اللاحق) كمؤتم فلاياتى بقراة وسهو......والمسبوق...... وهو منفرد، حتى يثنى ويتعوذ ويقرا (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۴۶، ہندیہ: ۱/۹۰)

(۲) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۴۵۔

(۳) ولو قام إمامه لخامسة فتابعه إن بعد القعود تفسد (شامی: ۲/۳۵۰)

(۴) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۶۱۱۔

مفسدات نماز کا بیان

اقوال مفسدۃ:

۹۹-**ضابطہ**: نماز میں ہر ایسا کلام جو کلام الناس سے ہو (یعنی ایسی باتیں جسے لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں) نماز کو فاسد کر دیتا ہے، خواہ کلام قلیل ہو یا کثیر؛ عمداً ہو یا سہواً یا خطاءً؛ سوتے میں ہو یا بیداری میں۔ (۱)

تشریح: پس اگر کلام الناس میں سے ایک حرف بھی ایسا کہا جس کے معنی معلوم ہیں، جیسے عربی میں قِ اور عِ (یہ امر کے صیغے ہیں یعنی قِ بمعنی حفاظت کر اور عِ بمعنی بچا) تو نماز فاسد ہو جائے گی (لیکن ایک ایسا حرف جو بے معنی ہو وہ کلام میں داخل نہیں اس سے نماز فاسد نہ ہوگی اور دو حرف سے بہرصورت نماز فاسد ہو جائے گی خواہ معنی معلوم ہوں یا نہ ہوں) (۲)

تفریعات:

(۱) پس کوئی خبر سن کر جواباً قرآن کی آیت پڑھی جیسے کوئی اچھی خبر سنی اور الحمد للہ کہا یا بری خبر پر انا للہ پڑھا یا تعجب خیز خبر سن کر سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہا تو طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ یہ تخاطب یعنی آپس میں بات چیز کرنا ہوا (۳)

(۲) اگر کسی جانور کو نماز میں ہنکایا، مثلاً کتے کو "ہو" کہا یا کسی پرندے کو "ہر" کہا تو بعض کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی، کیوں کہ یہ بغیر ہجا کی آواز ہے اور بعض فقہا کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ یہ آواز کلام کے قائم مقام ہے، یہی زیادہ

---

(۱) البحر الرائق: ۳/۲۔ (۲) یفسدها التکلم هو النطق بحرفین أو حرف مفهم: کع وق أمراً (درمختار) ان الحرف الواحد لایسمی کلاماً (شامی: ۳۷۰/۲)

(۳) مراقی الفلاح: ۳۲۶، الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۷۹/۲، کبیری: ۳۷۹، البحر: ۱۱/۲۔

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (۱)

(۳) نماز میں بچھو نے ڈس لیا یا کہیں درد ہوا یا اٹھتے بیٹھتے مشقت ہوئی اور یا اللہ نکل گیا یا بسم اللہ کہا تو نماز فاسد ہونے میں اختلاف ہے راجح یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی، کیوں کہ یہ کلام الناس میں سے نہیں ہے، فتویٰ اسی پر ہے۔ (۲)

(۴) چھینک آئی اور الحمدللہ کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ اگر کسی کی چھینک کا جواب یرحمك اللہ سے دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ جواب دینے میں مخاطب ہو جاتا ہے۔ (۳)

(۵) اللہ کا نام سن کر جل جَلَالُہٗ کہا، یا نبی ﷺ کا نام سن کر دُرود پڑھا، یا امام کی قرأت سن کر صَدَقَ اللّٰہُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہٗ کہا تو نماز فاسد ہو جائے گی خواہ جواباً کہا ہو یا ایسے ہی کہا ہو، کیوں کہ یہ جواب کے لئے متعین ہیں۔ البتہ اگر تعظیم اور ثنا کی نیت سے کہا (جواب کا ارادہ بالکل نہیں کیا) تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۴)

(۱) لکن فی الجوهرة :أن الكلام المفسد مایعرف فی مفاهم الناس سواء حصلت به حروف ام لا (شامی:۲/۳۷۰، کبیری:۳۷۷، حاشیة الطحطاوی:۳۲۱)

(۲) ولو لدغته عقرب فقال بسم الله تفسد صلاته عند أبی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالی .وقیل لاتفسد لأنه لیس من کلام الناس وفی النصاب وعلیه الفتوی وکذا فی البحر...... مریض صلی فقال عند قیامه أو عند انحطاطه بسم الله لما یلحقه من المشقة والوجع لاتفسد صلاته وعلیه الفتوی (ہندیہ:۱/۹۹)

(۳) شامی:۲/۳۷۶، کبیری:۳۸۰۔ (۴) سمع اسم الله تعالی فقال جل جلاله أو النبی صلی الله علیه وسلم فصلی علیه أو قراۃ الامام فقال:صدق الله ورسوله تفسد إن قصد جوابه (درمختار) إن أراد جوابه تفسد وکذا لولم یکن له نیة لأن الظاهر أنه أراد به الاجابة. واستفید انه لو لم یقصد الجواب بل قصد الثناء والتعظیم لاتفسد، لأن نفس تعظیم الله تعالیٰ والصلاۃ علی نبیه صلی الله علیه وسلم لاینافی الصلاۃ (شامی:۲/۳۸۰)

(۶) حج کرنے والے نے نماز میں لبیک کہا تو نماز فاسد ہوجائے گی، کیوں کہ یہ کلام الناس کے مشابہ ہے۔[۱] لیکن اگر ایام تشریق میں تکبیر تشریق (اللہ اکبر الخ) کہے تو نماز فاسد نہ ہوگی، کیوں کہ یہ ذکر ہے۔[۲]

۱۰۰- **ضابطہ**: نماز میں ہر ایسا کھانسنا جو کسی عذر کی وجہ سے ہو یا صحیح غرض سے ہو نماز کو فاسد نہیں کرتا، اگرچہ حروف پیدا ہوجائیں۔[۳]

تشریح: پس مرض کی وجہ سے یا بے اختیاری میں یا کوئی صحیح غرض مثلاً اپنی آواز کو درست کرنے کے لئے، یا کسی کو غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے کھانسا تو نماز فاسد نہ ہوگی خواہ حروف پیدا ہوجائیں۔

اور اگر بلا عذر اور بلا کسی غرض کے کھانسا تو اگر حروف تہجی (أح أح وغیرہ) پیدا ہوجائیں تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر حروف پیدا نہ ہوں تو نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن بلا عذر کھانسنا مکروہ ہے۔[۴]

۱۰۱- **ضابطہ**: نماز میں ہر ایسا رونا کہ جس سے حروف تہجی "آہ" یا "اوہ" یا "اف" وغیرہ پیدا ہوجائیں تو اگر یہ جنت یا دوزخ کے ذکر سے ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی، ورنہ فاسد ہوجائے گی۔[۵]

تفریع: پس اگر کوئی شخص درد یا مصیبت یا غم کی وجہ سے رویا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

---

(۱) ولو لبی الحاجی فی صلاته تفسد (ہندیہ: ۱/۱۰۰، البحر: ۲/۱۳)

(۲) ولو قال فی أیام التشریق الله أکبر لاتفسد (ہندیہ: ۱/۱۰۰، البحر: ۲/۱۳)

(۳) الدر المختار: ۲/۳۷۶۔ (۴) یفسد التنحنح بحرفین بلا عذر..أو بلا غرض صحیح؛ فلو لتحسین صوته أو لیهتدی إمامه أو للاعلام أنه فی الصلاة فلا فساد علی الصحیح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۷۶) (۵) والبکاء بصوت یحصل به حروف ......لالذکر جنة أو نار (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۷۷، البحر: ۲/۳-۶)

لیکن اگر وہ اپنے نفس کو روک نہیں سکا اور درد کی وجہ سے بے اختیار آواز نکل گئی تو پھر نماز فاسد نہ ہوگی، گویا وہ بے اختیار کھانسی اور ڈکار کی مانند ہو گیا۔ (۱)

۱۰۲- **ضابطہ:** نماز میں بلاضرورت تعلیم و تعلم سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (۲)

تفریعات:

(۱) پس اگر اپنے امام کے علاوہ دوسرے کو لقمہ دیا تو لقمہ دینے اور لینے والے دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ بلاضرورت نماز میں تعلیم و تعلم ہے۔

(۲) اسی طرح جو شخص نماز سے باہر ہو اس نے لقمہ دیا اور نمازی نے اس لقمہ کو لے لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی (البتہ مقتدی اپنے امام کو لقمہ دے تو نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ مقدار فرض قرآت کرنے کے بعد لقمہ دیا اور لیا ہو، کیوں کہ اس میں ضرورت ہے، فتویٰ اسی پر ہے) (۳)

(۳) اسی طرح اگر کسی نے نماز میں قرآن کو دیکھ کر قرأت کی تو اگر ایک آیت کے بقدر دیکھ کر پڑھ لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، خواہ قرآن پاک کو ہاتھ میں اٹھا کر پڑھا، یا نیچے رکھا ہوا تھا یا محراب میں لکھا ہوا تھا اس میں سے پڑھا، فتویٰ اسی پر ہے، کیوں کہ یہ بھی تعلیم و تعلم کی صورت ہے ــــــ البتہ اگر اس کو پہلے سے وہ آیت (اچھی طرح) زبانی یاد تھی اور اس نے قرآن اٹھائے بغیر دیکھ کر پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی، کیوں کہ جب پہلے سے آیت اس کے ذہن میں تھی تو اب دیکھ کر پڑھنے سے تعلیم حاصل کرنا نہیں ہوا اور قرآن نہ اٹھانے سے عمل کثیر بھی نہیں ہوا۔ (۴)

---

(۱) إلا لمريض لايملك نفسه عن أنين وتاوه ، لأنه حينئذ كعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وإن حصل حروف للضرورة (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۷۷، البحر: ۲/۳-۴)

(۲) مستفاد حاشیۃ الطحطاوی: ۳۳۴ـ (۳) ہندیہ: ۱/۹۹، البحر: ۲/۱۰۔

(۴) او قرائته من مصحف ای ما فيه قرآن مطلقاً لأنه تعلم إلا إذا كان حافظاً لما قراه وقرأ بلاحمل (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۸۳-۳۸۴)

۱۰۳- **ضابطہ**: ہر وہ لفظ جو قرآن میں سے ہو اور بے اختیار زبان سے نکل جائے تو اگر اس کے تکیۂ کلام میں سے ہو جیسے "نعم" وغیرہ تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر تکیۂ کلام نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۱)

فائدہ: کیوں کہ اگر تکیہ کلام میں سے ہو تو وہ اس کا کلام شمار ہوگا اور اگر تکیہ کلام میں سے نہ ہو تو وہ قرآن کا لفظ سمجھا جائے گا ـــــــ لیکن اگر وہ لفظ قرآن میں نہ ہو تو بہر صورت نماز فاسد ہو جائے گی، یعنی خواہ تکیۂ کلام ہو یا نہ ہو۔

۱۰۴- **ضابطہ**: وسوسہ کو دور کرنے کے لئے لاحول الخ پڑھا تو اگر وسوسہ دنیوی امور سے ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر آخرت سے متعلق ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۲)

۱۰۵- **ضابطہ**: نماز میں ہر ایسی دعا مانگنا جو نہ قرآن وحدیث میں آئی ہے اور نہ اس کا مانگنا بندوں سے محال ہے نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ (۳)

جیسے کھانا، مال، بیوی، وغیرہ...... کی دعا مانگی تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ عادتاً اس کا مانگنا بندوں سے محال نہیں اور نہ یہ قرآن وحدیث میں منقول دعاؤں میں سے ہے۔ (۴)

اور جو دعا قرآن وحدیث میں منقول ہے یا اس کا مانگنا بندوں سے محال ہے، جیسے رزق، مغفرت، عافیت وغیرہ تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۵)

---

(۱) ولو جری علی لسانه "نعم" أو "آری" إن کان یعتادها فی کلامه تفسد لأنه من کلامه وإلا لا لأنه من قرآن (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۸۲)

(۲) ولو حوقل لدفع الوسوسة: إن لأمور الدنیا تفسد لا لأمور الآخرة (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۸۱، البحر: ۲/۷) (۳) وإن لم یکن فی القرآن أو فی المأثور ولا یستحیل سؤاله تفسد، وإن کان یستحیل سؤاله لا تفسد (البحر الرائق: ۲/۵، الدر المختار والشامی: ۲/۳۴۸-۳۷۷) (۴) مثل قوله اللهم اطعمنی واقض دینی أو زوجنی فإنه یفسد (ھندیہ: ۱/۱۰۰) (۵) مثل العافیة والمغفرة والرزق...... لا تفسد (ھندیہ: ۱/۱۰۰)

اعمال مفسدہ:

۱۰۶- **ضابطہ**: ہر ایسا عمل کثیر جو نہ نماز کے اعمال میں سے ہو اور نہ اس کی اصلاح میں سے؛ نماز کو فاسد کر دیتا ہے، خواہ وہ عمل اختیار سے کرے یا بلا اختیار۔ (۱)

تشریح: نماز کے اعمال اور اصلاح میں سے نہ ہونے کی قید اس لئے ہے کہ جو عمل نماز کے اعمال میں سے ہو جیسے رکوع یا سجدے پر اضافہ کر لیا، یا نماز کی اصلاح کے لئے ہو جیسے حدث سبقت کرنے پر چلنا اور وضو کرنا تو یہ اگرچہ عمل کثیر ہے، لیکن نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ (ان کے علاوہ باقی ہر عمل کثیر نماز کو فاسد کر دیتا ہے) (۲)

پھر عمل کثیر اور قلیل کے درمیان حد فاصل میں فقہاء کا اختلاف ہے، اس سلسلے میں پانچ اقوال مشہور ہیں:

اول: ایسا عمل جس کے فاعل کو دور سے دیکھنے والا یہ یقین کرے یا اس کو غالب گمان گذرے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے وہ کثیر ہے۔ اور جس عمل سے نماز میں نہ ہونے کا غالب گمان نہ ہو بلکہ شبہ ہو تو وہ قلیل ہے۔ (۳)

دوم: جو کام عادتاً دو ہاتھ سے کیا جاتا ہو، جیسے عمامہ باندھنا، کرتا پہننا، پاجامہ پہننا وغیرہ وہ کثیر ہے، خواہ ایک ہی ہاتھ سے کرے۔ اور جو کام عادتاً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہو جیسے ازار بند کھولنا، ٹوپی پہننا یا اتارنا (یا موبائل کا بٹن بند کرنا) وغیرہ وہ قلیل ہے اگرچہ دو ہاتھ سے کیا جائے۔ (۴)

سوم: تین حرکات متواترہ ہوں، یعنی ان کے درمیان بقدر تین تسبیح کے وقفہ نہ ہو تو

---

(۱) ویفسدها کل عمل کثیر لیس من اعمالها و لا إصلاحها (درمختار: ۳۸۴/۲) و لا یشترط فیما یفسد الصلوٰۃ الاختیار (کبیری: ۳۸۴) (۲) شامی: ۳۸۴/۲-۳۸۵۔

(۳) وإن شك انه فيها أم لا؟ فقليل (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۸۵/۲)

(۴) الثاني: أن مايعمل عادة باليدين كثير وإن عمل بواحدة. (شامی: ۳۸۵/۲)

وہ کثیر ہے، ورنہ قلیل ہے۔ (۱)

چہارم: ایسا عمل جس کے لئے فاعل عادتاً علاحدہ مجلس کرتا ہو وہ کثیر ہے، جیسے بچہ کو دودھ پلانا وغیرہ۔ (۲)

پنجم: خود نمازی کی رائے پر موقوف ہے، یعنی نمازی جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے اور جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہے۔ (۳)

یہ آخری قول امام ابوحنیفہؒ کے مذاق کے موافق ہے، کیوں کہ امام صاحب اکثر مسائل میں مبتلی بہ کی رائے پر حکم کا مدار رکھتے ہیں۔

اب ان ہی اصول پر متفرع ہونے والی کچھ جزئیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اگر کسی نے نماز میں دھکا دیا جس سے متواتر تین قدم ہٹ گیا یا اپنے سجدہ کی جگہ سے ہٹ گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، (۴) کیوں کہ عمل کثیر اختیار سے ہو یا بلا اختیار نماز فاسد کرنے میں دونوں برابر ہیں۔ (۵) (لیکن اگر نماز میں اٹھتے بیٹھتے دونوں پاؤں کپڑے میں الجھ گئے اور اس کی وجہ سے آگے پیچھے ہو گیا تو بوجہ عذر اور کثیر الوقوع ہونے کے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۶)

(۲) سانپ، بچھو کو نماز میں مارا تو اگر تین قدم نہیں چلنا پڑا اور نہ تین ضربوں کی حاجت ہوئی تو نماز فاسد نہ ہوگی، ورنہ عمل کثیر کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی، مگر

---

(۱) الثالث: الحركات الثلاثة المتوالية كثير، وإلا فقليل (شامی: ۲/ ۳۸۵)

(۲) الرابع: مايكون مقصودا للفاعل بأن يفرد له مجلسا على حدة الخ (شامی: ۲/ ۳۸۵) (۳) التفويض الى رأى المصلى، فإن استكثره فكثير، وإلا فقليل (شامی: ۲/ ۳۸۵) (۴) فإن من دفع أو جذبته الدابة حتى ازاله عن موضع سجوده تفسد (الدر والشامی: ۲/ ۳۹۰) (۵) وهل يشترط فى المفسد الاختيار؟ فى الخانية: نعم، وقال الحلبى: لا (درمختار) الظاهر اعتماده للتفريع عليه (شامی: ۳۹۰)

(۶) محمودیہ: ۶/ ۶۰۸۔

سانپ، بچھو کو نماز میں بھی مار دینا چاہئے اگرچہ نماز فاسد ہو جائے اس لئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے: اُقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ الْحَيَّةَ وَالْعَقْرَبَ۔[1]

(۳) ایک رکن میں (یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کے بقدر وقت میں) تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر کھجلایا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ہر بار ہاتھ نہیں اٹھایا، بلکہ ایک بار اٹھا کر چند مرتبہ حرکت دی تو یہ ایک ہی بار کھجلانا ہوا، اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن بلا ضرورت ایک بار بھی کھجلانا مکروہ ہے۔[2]

(۴) عورت نماز پڑھ رہی تھی کہ شوہر نے شہوت سے یا بلا شہوت بوسہ دیا، یا شہوت کے ساتھ چھو دیا تو عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی، بخلاف اگر عورت نے مرد کے ساتھ یہ حرکت کی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی جب تک کہ مرد کو اس عمل سے خواہش نہ ہو جائے، اس لئے کہ جماع کا فاعل مرد ہے نہ کہ عورت۔[3]

۱۰۷- **ضابطہ**: نماز میں (منہ سے باہر کی) کوئی چیز کھانے پینے سے

---

(۱) لا یکرہ قتل حیة أو عقرب...... ولو بعمل کثیر علی الأظہر لکن صححه الحلبي الفساد (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۴۲۱) (۲) إذا حك ثلاثا في ركن واحد تفسد صلاته، هذا إذا رفع يده في كل مرة أما إذا لم يرفع في كل مرة فلا تفسد ولو كان الحك مرة واحدة يكره، كذا في الخلاصة (ہندیہ: ۱/۱۰۴، تاتارخانیہ: ۱/۵۸۹)
اور یہاں رکن واحد سے بقدر تین تسبیح کا وقت مراد ہے، وہ اس عبارت سے اخذ کیا گیا ہے: ربفسدها أداء ركن حقيقة اتفاقا أو تمكنه منه بسنته وهو قدر ثلاث تسبيحات مع كشف عورة.. الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۸۶)
(۳) أو مسها بشهوة أو قبلها بدونها فسدت، لا لو قبلته ولم يشتهها (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۹۰) يعني أن الزوج هو الفاعل للجماع فاتيانه بدواعيه في معناه ...... بخلاف المرأة فإنها ليست فاعلة للجماع فلا يكون إتيانه دواعيه منها في معناه مالم يشتهه الزوج (شامی: ۲/۳۹۰)

نماز مطلقاً فاسد ہو جاتی ہے، خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر اور خواہ کھانا پینا سہواً ہو یا عمداً؛ خطاءً ہو یا قصداً۔ (۱)

تشریح: پس تل کے برابر بھی باہر سے کوئی چیز اٹھا کر کھالی یا باہر ہونٹ پر کوئی چیز تھی اور سانس کے ذریعہ اس کو اندر کھینچ لیا اور وہ چیز حلق میں چلی گئی تو نماز فاسد ہو جائے گی (خواہ ایسا اس نے بے خبری میں کیا ہو)

تفریع: منہ کھلا ہوا تھا اور بارش کا قطرہ حلق میں چلا گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی (لیکن اگر مکھی چلی گئی تو نماز فاسد نہ ہوگی جیسا کہ روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیوں کہ مکھی سے بچنا مشکل ہے، مؤلف) (۲)

۱۰۸- **ضابطہ**: ہر وہ مفسد صلاۃ فعل جس کو نمازی بالارادہ کرے اس میں رکن کے بقدر کی مہلت نہیں۔ (۳)

جیسے:

(۱) اگر کسی نے نماز میں قصداً اپنے فعل سے چوتھائی عضو کے بقدر ستر کھولدیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اگرچہ فوراً ڈھانپ لیا ہو، کیوں کہ قصداً کسی فعل کے کرنے میں رکن کی مقدار کی رعایت نہیں۔

(۲) اسی طرح قصداً ناپاک زمین پر کھڑا ہو گیا؛ یا نماز میں کوئی ناپاک چیز اٹھالی؛ یا امام سے آگے چلا گیا وغیرہ۔ سب کا یہی حکم ہے یعنی نماز فوراً فاسد ہو جائے گی۔ (۴)

نوٹ: مفسدات صلوۃ سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

---

(۱) وأكله وشربه مطلقاً ولو سمسمة ناسيا (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۸۲/۲)

(۲) ولو سمسمة ناسيا ومثله ماوقع في فيه قطرة مطر فابتلعها كما في البحر (شامی: ۳۸۳/۲) (۳) فلو به (أى بصنعه) فسدت في الحال عندهم، قنية ،قال ح :اى وان كان أقل من اداء ركن. (شامی: ۸۲/۲)

(۴) (شامی: ۸۲/۲)

مکروہات نماز کا بیان

۱۰۹-**ضابطہ**: ہر وہ کام جو نمازی کے لئے مفید و ضروری ہو بغیر عمل کثیر کے اس کے کرنے میں مضائقہ نہیں، ورنہ مکروہ ہوگا۔ (۱)

جیسے پیشانی سے پسینہ پونچھنا، یا سجدے سے اٹھتے وقت دائیں بائیں کپڑا جھاڑنا تاکہ لپٹ نہ جائے اس میں کوئی حرج نہیں، حضور پاک ﷺ سے اس طرح کرنا ثابت ہے۔ (۲)

البتہ سجدہ میں جاتے وقت کپڑا اسمیٹنا مکروہ ہے، خواہ عادت کے طور پر ہو یا کپڑے کو مٹی سے بچانے کے لئے ہو، کیوں کہ یہ فعل نمازی کی نماز کے لئے نہ مفید ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے، بلکہ از قبیل نزاکت و تکلف ہے۔ (۳)

۱۱۰-**ضابطہ**: ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب ہے اور جو کراہت تنزیہی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ مستحب ہے۔ (۴)

۱۱۱-**ضابطہ**: ہر اس صفت یا فعل کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا جو نماز کے

---

(۱) شامی: ۲/۴۰۶ـ (۲) (وعبثہ) هو فعل بغرض غیر صحیح .قال فی النهایة: وحاصله أن کل عمل هو مفید للمصلی فلابأس به،أصله ماروی ا ن النبی صلی الله علیه وسلم عرق فی صلاته فسلت العرق عن جبینه ای مسحه لأنه کان یؤذیه فکان مفیداً، وفی زمن الصیف کان إذاقام من السجود نفض ثوبه یمنة ویسرة لأنه کان مفیداکی لاتبقی صورة فأما مالیس بمفید فهو العبث (شامی:۲/۴۰۶)

(۳) وکره کفه ای رفعه ولو لتراب کمشمر کم او ذیل (الدرالمختار) وحرر الخیر الرملی مایفید أن الکراهة فیه تحریمة (شامی:۲/۴۰۶)

(۴) والحق أن التفصیل بین کون تلك الکراهة کراهة تحریمة فتجب الاعادة أو تنزیهة فتستحب (شامی:۲/۱۴۷-۴۰۴)

خشوع وخضوع میں مخل ہے، مکروہ ہے۔ (۱)

جیسے کسی کے چہرے کے سامنے؛ یا سوئے ہوئے شخص کے سامنے (جبکہ اس کی وجہ سے نماز میں دھیان ہٹنے کا خطرہ ہو) یا نجاست کے سامنے؛ یا قبر کے سامنے؛ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

نیز پیشاب و پاخانہ کے شدید تقاضہ کے وقت یا سخت بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو تو اس حال میں بھی نماز مکروہ تحریمی ہے اگرچہ جماعت فوت ہو جائے۔

البتہ اگر وقت تنگ ہو اور فرض یا واجب نماز قضا ہونے کا اندیشہ ہو تو مکروہ نہیں بلکہ اولیٰ ہے کہ اسی حالت میں نماز ادا کرے، کیوں کہ کراہت کے ساتھ نماز ادا کرنا قضا کرنے سے بہتر ہے۔ (۲)

اسی طرح لوگوں کی گذرگاہوں پر بغیر سترہ کے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ اس سے نماز میں خلل آتا ہے۔ (۳)

نفل نماز کا بیان

۱۱۲- **ضابطہ**: نفل کا ہر شفعہ (دو رکعت) مستقل نماز ہے۔ (۴)

تفریعات:

(۱) پس نفل کی تیسری رکعت میں تعوذ، تسمیہ اور ثنا پڑھنا مستحب ہے۔ (۵)

(۲) اور نفل کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا واجب ہے (اگر کسی

---

(۱) مستفاد حاشیۃ الطحطاوی: ۳۵۶-۳۵۸، البحر: ۵۵/۲۔ (۲) وکذا الریح وإن مضی علیها أجزئه وقد أساء، ولو ضاق الوقت بحیث لو اشتغل بالوضوء یفوته یصلی لأن الأداء مع الکراهة أولی من القضاء (ہندیہ: ۱۰۷/۱، شامی: ۴۰۸/۲- کبیری: ۳۱۷)

(۳) طحطاوی: ۳۵۶۔ (۴) قواعد الفقہ: ۱۰۰۔ (۵) وقالوا: یستحب الاستفتاح فی الثالثة والتعوذ.. الخ (شامی ۱۵۰/۲)

رکعت میں سورت نہیں ملائی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا)[۱]

(۳) اگر کسی نے چار رکعت نفل کی نیت کی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا یا اس کے برعکس کیا یعنی دو رکعت کی نیت کی اور چار رکعت پڑھ لی تو کوئی مضائقہ نہیں، کیوں کہ ہر شفعہ مستقل نماز ہے، نمازی جب دوسرے شفعہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو سابق تحریمہ پر بنا کرنے والا ہوتا ہے، گویا دوسرا نیا تحریمہ کہتا ہے۔

(۴) اگر کسی ایک شفعہ میں فساد آ گیا (خواہ وہ شفعہ اول ہو یا ثانی) تو صرف اسی شفعہ کی قضا واجب ہوگی، دوسرے شفعہ کی قضا واجب نہ ہوگی۔[۲]

نمازی کے آگے سے گذرنے کا اور سترہ کا بیان

۱۱۳- **ضابطہ**: سترہ کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ (دو بالشت) اور چوڑائی بقدر ایک انگلی ہونی چاہئے۔[۳]

تفریع: پس بعض مساجد میں (بطور سترہ) جو لکڑے کا تختہ وغیرہ رکھتے ہیں جس کی اونچائی، ایک ہاتھ سے بھی کم ہوتی ہے، وہ صحیح نہیں، اس کے پیچھے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو سامنے سے گذرنا جائز نہیں۔

۱۱۴- **ضابطہ**: سترہ کا اعتبار صرف قیام کی حالت میں ہے۔[۴]

تفریع: پس اگر کوئی رسی وغیرہ چھت سے لٹکی ہوئی ہو اور قیام کے وقت سترہ رہتی ہو اور رکوع، سجدے میں کمر پر آجاتی ہو تو کوئی حرج نہیں، ایسے سترہ کے پرے سے گزرنا جائز ہے۔[۵]

(۱) مراقی الفلاح: ۲۴۸۔ (۲) شامی: ۲/۱۵۰۔ (۳) ہدایہ: ۱/۱۳۸، ھندیہ: ۱/۱۰۴۔

(۴) ولو ستارۃ ترتفع إذا سجد وتعود إذا قام (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۴۰۰)

(۵) ولو ستارۃ ترتفع أی تزول بحرکۃ راسہ ...وصورتہ :ان تکون الستارۃ من ثوب او نحوہ معلقۃ فی سقف مثلاً ثم یصلی قریباً منہ ،فإذا سجد تقع علی ←

۱۱۵- **ضابطہ**: نمازی کے آگے سے گذرنا مکروہ ہے، ہٹنا مکروہ نہیں۔ (۱)

تفریعات:

(۱) پس نمازی کے آگے بیٹھا ہوا شخص اٹھ کر جا سکتا ہے، کیوں کہ یہ ہٹنا ہے، گذرنا نہیں ہے جو ممنوع ہے۔

(۲) اسی پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوگا کہ اگر دو شخص نمازی کے آگے سے گذرنا چاہیں تو ان میں سے ایک شخص نمازی کے سامنے پیٹھ کر کے کھڑا ہو جائے اور دوسرا شخص اس کی آڑ سے گذر جائے، پھر پہلا شخص اسی طرح کرے اور دونوں اس طرح گذر جائیں تو یہ جائز ہے۔ (۲)

(۳) اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل لوگوں میں جو یہ عمل مروج ہے کہ نمازی کے بغل میں بیٹھا ہوا شخص اپنا ہاتھ رکھ لیتا ہے اور سامنے سے گذرنے والا گذر جاتا ہے، پھر وہ اپنا ہاتھ ہٹا لیتا ہے تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے۔

قضا نمازوں کا بیان

تمہید: جاننا چاہئے کہ قضا اور وقتیہ نمازوں میں اور خود قضا نمازوں میں ترتیب واجب ہیں۔ پس اگر کسی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو پہلے قضا نماز پڑھے، پھر وقتیہ نماز ادا کرے۔ اسی طرح خود آپس میں قضا نمازوں میں بھی جو سب سے پہلے قضا ہوئی ہے اس کو پہلے پڑھے، پھر اس کے بعد بعد والی، پھر اس کے بعد بعد والی، اسی ترتیب سے قضا کرے۔ اگر ترتیب کا لحاظ نہیں کرے گا تو نمازیں درست نہ ہوں گی، پھر سے

← ظهره ويكون سجوده خارجا عنها، وإذا قام أو قعد سبلت على الأرض وستره (شامی: ۲/۴۰۰)

(۱) امداد الفتاویٰ: ۱/۲۹۷۔ (۲) ولو مر اثنان يقوم أحدهما أمامه ويمر الآخر ويفعل الآخر، هكذا يمران (شامی: ۲/۴۰۱) (۳)

بالترتیب پڑھنی ہوں گی۔[1]

البتہ بعض صورتوں میں یہ ترتیب ساقط ہوجاتی ہے، اس کو مندرجہ ذیل ضوابط وتشریحات میں ملاحظہ کیجئے۔

۱۱۶- **ضابطہ:** وقت کی تنگی سے وقتیہ اور قضا میں ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔[2]

تشریح: پس اگر وقت اتنا تنگ ہوگیا ہو کہ قضا نماز پڑھنے میں وقتیہ نماز فوت ہوجاتی ہو، مثلاً کسی کے ذمہ فجر اور ظہر باقی ہے اور اب عصر کا وقت اتنا تنگ رہ گیا ہے کہ قضا نماز پڑھنے میں عصر کا وقت (اصل وقت نہ کہ مستحب وقت یہی معتمد ہے)[3] نکل جائے گا تو پہلے عصر پڑھ لے۔

اور اگر اتنا وقت ہو کہ عصر کے ساتھ صرف فجر پڑھ سکتا ہے، ظہر نہیں پڑھ سکتا تو واجب ہوگا کہ پہلے فجر پڑھے، پھر عصر ادا کرے، یعنی وقتیہ سے پہلے جس قدر قضا نماز کی گنجائش ہو پہلے اس کو ادا کرے، پھر وقتیہ کو پڑھے، حتی کہ کسی کی عشا کی نماز مع وتر کے قضا ہوگئی اور فجر میں اتنا وقت رہ گیا ہے کہ صرف پانچ رکعتوں کو پڑھ سکتا ہے تو اس پر واجب ہوگا کہ پہلے وتر پڑھے، پھر فجر کی دو رکعت فرض پڑھے (فجر کی سنتیں اس صورت میں ترک کردے) پھر سورج طلوع ہونے کے بعد عشا کی قضا کرے (اور بعد طلوع، فجر کی سنتیں پڑھ لے تو بہتر ہے واجب نہیں)[4]

---

(۱) مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۲۴۱، الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/ ۵۲۳۔

(۲) ہدایہ: ۱/ ۱۵۴۔ (۳) فالذی ینبغی اعتماده ما علیه أكثر المشایخ من أن المعتبر أصل الوقت عند علمائنا الثلاثة (شامی: ۲/ ۵۲۳) (۴) وإن كانت المتروكة أكثر من واحدة والوقت یسع فیه بعضها مع الوقتیة لا تجوز الوقتیة مالم یقضی ذالك البعض حتی لو تذكر فی وقت الفجر أنه لم یصلی العشاء والوتر وبقی من الوقت مالا یسع فیه إلا خمس ركعات علی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالی یقضی الوتر ثم یصلی الفجر ثم یقضی العشاء بعد طلوع الشمس (ھندیہ: ۲/ ۱۲۲، البحر الرائق: ۲/ ۱۴۵)

فائدہ: جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ مسقط ترتیب نہیں ہے۔ پس صاحب ترتیب پہلے قضا پڑھے پھر جمعہ مل جائے تو بہتر ہے ورنہ ظہر پڑھے۔(۱)

۱۱۷- **ضابطہ**: قضا نماز کو بھول جانا ترتیب کو ساقط کر دیتا ہے۔(۲)

تشریح: پس اگر قضا نماز یاد نہ رہے اور پہلے وقتیہ پڑھ لی تو ترتیب ساقط ہو جائے گی، یعنی وہ وقتیہ نماز صحیح ہو جائے گی، اس کو دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

ہاں نماز میں یاد آجائے کہ قضا باقی ہے تو یہ وقتیہ نماز فاسد ہو جائے گی، پہلے قضا نماز پڑھنا ضروری ہے۔(۳)

فائدہ: ظاہر الروایت میں جہل مسقط ترتیب نہیں، لیکن ایک روایت میں امام صاحب سے بواسطۂ حسن بن زیاد اس کے خلاف بھی مروی ہے یعنی جہل مسقط ہے (یعنی جس کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہو کہ قضا میں ترتیب ضروری ہے، اس پر ترتیب فرض نہیں) اسی کو بہت سے مشائخ نے اختیار کیا ہے، جیسا کہ تمرتاشی میں ہے۔(۴)

۱۱۸- **ضابطہ**: قضا نمازیں جب پانچ سے زیادہ ہو جائیں تو ترتیب ساقط ہو جاتی ہے مطلقاً یعنی خواہ وہ سب قضا نمازیں نئی ہوں یا پرانی، متفرق ہوں یا متصل۔(۵)

فائدہ (۱): وتر اور عشا دونوں مل کر ایک نماز ہیں، کیوں کہ اگرچہ وتر کی قضا واجب

---

(۱) ولو أن مصلی الجمعة تذکر أن علیه الفجر فإن کان بحیث لو قطعها واشتغل بالفجر تفوته الجمعة ولایفوته الوقت فعند ابی حنیفة وأبی یوسف رحمهما الله یقطع الجمعة ویصلی الفجر ثم یصلی الظهر (ہندیہ: ۱۲۲/۲)

(۲) ہدایہ: ۱۵۴/۱۔ (۳) البحر الرائق: ۱۴۶/۲-۱۴۷، ہندیہ: ۱۲۲/۱، شامی: ۵۳۰/۲۔

(۴) ولا یعتبر الجهل وعبارة النقایة فرض الترتیب ولو جاهلا به اه. قال شارحها العلامة القهستانی: عند أئمتنا الثلاثة – وعن الحسن عنه أنه إذا لم یعلم به لم یجب علیه وبه أخذ الأکثرون کما فی التمرتاشی (حاشیۃ الطحاوی: ۴۴۳)

(۵) ہدایہ: ۱۵۴/۱۔

ہے لیکن دونوں کا وقت ایک ہے، پس وتر کو مستقل علاحدہ نماز شمار نہیں کریں گے۔ [1]

فائدہ (۲): پھر جب قضا کرتے کرتے پانچ نمازیں رہ جائیں تو کیا ترتیب لوٹ آئے گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اصح قول کے بموجب ترتیب عود نہیں کرے گی، پس وہ اب بھی جس طرح چاہے پڑھ سکتا ہے، یہی معتمد اور مفتی بہ قول ہے۔ [2]

۱۱۹- **ضابطہ**: آہستہ یا بلند آواز سے قرأت کرنے میں قضا نماز ادا کے مانند ہے، خواہ دن میں قضا کرے یا رات میں۔ [3]

تشریح: پس اگر قضا نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے تو جہری نماز جہراً اور سری نماز سراً پڑھنا واجب ہوگا، خواہ رات میں ہو یا دن میں۔ اور اگر تنہا ادا کرے تو سری نماز سراً ہی پڑھے اور جہری نماز میں اختیار ہے جہراً پڑھے یا سراً مگر جہراً پڑھنا افضل ہے، جیسا کہ ادا کا حکم ہے۔

سجدۂ سہو کا بیان

۱۲۰- **ضابطہ**: ایک رکن کی ادائیگی کے بعد دوسرے رکن میں تاخیر نہ

(۱) غیر الوتر فانه لایعد مسقطا فی کثرة الفوائت......الخ (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۴۴۳) (۲) الترتیب إذا سقط بکثرة الفوائت ثم قضا بعض الفوائت وبقیت الفوائت أقل من ستة الأصح أنه لایعود......قال الشیخ الإمام الزاهد أبوحفص الکبیر وعلیه الفتویٰ (ہندیہ: ۲/ ۲۳، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة: ۲/ ۴۴۷) (۳) ان القضاء کالأداء......الخ (شامی: ۲/ ۲۵۲)

(۴) ومتی قضی الفوائت إن قضاها بجماعة فإن کانت صلاة یجهر فیها یجهر فیها الإمام بالقراة ، وإن قضاها وحده یتخیر بین الجهر والمخافتة والجهر أفضل کما فی الوقت ویخافت فیما یخافت فیه حتما وکذا الإمام (ہندیہ: ۱/ ۱۲۱، شامی: ۲/ ۲۵۱، منحة الخالق: ۱/ ۵۲۶)

کرنا واجب ہے، سہواً اس کے خلاف کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ (۱)

تفریعات:

(۱) پس اگر تین سجدے کر لیے؛ یا دو رکوع کر لیے تو سجدۂ واجب ہوگا۔

(۲) اسی طرح سورۂ فاتحہ کے بعد دیر تک خاموش رہا پھر سورت ملائی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

(۳) قعدہ اولی میں تشہد کے بعد تین مرتبہ سبحان اللہ کے بقدر بیٹھا رہا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

(۴) فرض نماز میں التحیات سے اوپر اللّٰهم صلّ علیٰ محمد تک پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

کیوں کہ ان تمام صورتوں میں دوسرے رکن میں بلا ضرورت تاخیر ہوگئی۔

استدراک: لیکن نفل نماز کے قعدۂ اولی میں التحیات سے اوپر درود شریف پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا، بلکہ یہاں درود پڑھنا مستحب ہے، کیوں کہ نفل کا ہر شفعہ (دو رکعت) مستقل نماز ہے۔

نماز میں شک کا بیان

۱۲۱- **ضابطہ:** شک کا اعتبار نماز میں ہے نماز کے بعد شک کا اعتبار نہیں۔ (۲)

تشریح: پس اگر نماز سے فراغت کے بعد شک ہوا کہ تین رکعت پڑھی یا چار! تو اس کا اعتبار نہیں نماز ہوگئی۔

اسی طرح نماز کے بعد شک ہوا کہ حدث ہوا ہے؛ یا کپڑے پر نجاست لگی ہے؛ یا مسح نہیں کیا؛ وغیرہ۔ تو بھی یہی حکم ہے (یعنی نماز ہوگئی)

(۱) الدر والشامی: ۲/۱۵۱۔ (۲) تقدم أن الشك خارج الصلوة لايعتبر (شامی: ۲/۵۶۳، حاشیۃ الطحطاوی: ۴۴۷) (۳)

فائدہ: اگر نماز کے بعد کسی معتبر شخص نے خبر دی کہ تین رکعت پڑھی ہے تو اگر نمازی کو یقینی طور پر چار رکعت پڑھنا یاد ہے تو نماز کا لوٹانا واجب نہیں (اس کی بات کا اعتبار نہ کرے) اور اگر شک ہے تو نماز کا لوٹانا واجب ہے، کیوں کہ مخبر کی خبر سے ایک جانب کو ترجیح حاصل ہوگئی۔ (۱)

نوٹ: سجدۂ سہو سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

سجدۂ تلاوت کا بیان

۱۲۲- **ضابطہ**: آیت سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ تلاوت صحیحہ ہو (جس کے لئے تمیز ضروری ہے) ورنہ واجب نہیں۔ (۲)

تفریع: پس اگر کسی پاگل آدمی، یا سوئے ہوئے شخص، یا پرندہ، یا ٹیپ ریکارڈ سے آیت سجدہ سنی تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں، کیوں کہ ان پڑھنے والوں میں تمیز نہیں۔ (۳)

لیکن اگر ریڈیو یا ٹی وی سے سنے تو احتیاطاً سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، کیوں کہ ہوسکتا ہے وہ ریکارڈ یا ٹیپ کی ہوئی آواز نہ ہو، بلکہ خود اسی وقت قاری پڑھتا ہو یعنی ٹیلی کاسٹ کی صورت ہو) (۴)

اور اگر حائضہ یا نابالغ سے آیت سجدہ سنے تو سجدۂ تلاوت واجب ہے، کیوں کہ ان میں تمیز موجود ہے (اگر چہ خود حائضہ اور نابالغ پر سجدہ واجب نہ ہوگا، کیوں کہ وہ نماز کے

---

(۱) أخبره عدل بأنه ماصلى أربعا وشك في صدقه وكذبه أعاد احتياطاً. ولو اختلف الامام والقوم فلو الإمام على يقين لم يعد وإلا أعاد بقولهم (الدر المختار على ہامش رد المحتار: ۲/۵۶۳، ہندیہ: ۱/۳۱) (۲) السبب سماع تلاوة صحيحة وصحتها بالتميز (شامی: ۲/۵۸۱)

(۳) ذكر شيخ الاسلام أنه لايجب بالسماع من مجنون أو نائم أو طائر.. واستحسنه في الحلية (شامی: ۲/۵۸۱) (۴) محمودیہ: ۷/۲۷۲۔

مکلف نہیں)[1]

۱۲۳- **ضابطہ**: سجدۂ تلاوت کے وجوب کا مدار پڑھنے یا سننے پر ہے، جس کا تعلق صوت سے ہے۔[2]

تفریع: پس آیت سجدہ لکھنے؛ یا اس کی طرف نظر کرنے؛ یا دل میں پڑھنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔[3]

۱۲۴- **ضابطہ**: مجلس متعدد چیزوں کو جمع یعنی ایک کر دیتی ہے جبکہ سبب ایک ہو۔[4]

تفریع: پس اگر کسی ایک آیت سجدہ کو ایک ہی مجلس میں متعدد بار پڑھا یا سنا تو ایک ہی سجدہ کافی ہوگا، خواہ اخیر میں سجدہ کرے یا پہلی دفعہ پڑھ کر سجدہ کرے یا درمیان میں کرے سب جائز ہے۔[5]

اور اگر مجلس بدل جائے یا ایک ہی مجلس میں مختلف آیات سجدہ کی تلاوت کی جائیں تو پھر ہر ایک کے لئے الگ الگ سجدہ کرنا ہوگا، ایک سجدہ کافی نہ ہوگا۔[6]

۱۲۵- **ضابطہ**: سجدے کی آیت خواہ کسی بھی زبان میں پڑھے اس سے سجدۂ

---

(۱) فلا تجب على كافر وصبي ومجنون وحائض ونفساء قرؤوا أو سمعوا لأنهم ليسوا أهلا لها وتجب بتلاوتهم يعني المذكورين (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۵۸۱/۲، ھندیہ: ۱۳۲/۱) (۲) مستفاد ھندیہ، تاتارخانیہ۔

(۳) ولا تجب السجدة بكتابة القرآن كذا في فتاوى قاضي خان ..إذا قرأ آية السجدة بالهجاء لم تجب السجدة كذا في السراج (ھندیہ: ۱۳۳/۱، تاتارخانیہ: ۱/ ۷۷۳) (۴) مستفاد الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۵۹۰/۲، ھدایہ: ۱۶۴/۱۔

(۵) كمن كررها أي الآية الواحدة في مجلس واحد حيث تكفيه سجدة واحدة سواء كانت في ابتداء التلاوة أو اثنائها أو بعدها للتداخل ..الخ (مراقی الفلاح: ۴۹۴، ھندیہ: ۱۳۴/۱، الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۵۹۱/۲)

(۶) (ھندیہ: ۱۳۴/۱)

تلاوت واجب ہوجاتا ہے۔ (١)

تشریح: پس اردو یا فارسی وغیرہ میں سجدہ کی آیت کا ترجمہ پڑھا تو سجدہ واجب ہوجائے گا، خواہ وہ ترجمہ سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو۔ (٢)

یہ حکم جب ہے کہ لفظ بلفظ ترجمہ کیا ہو، اگر لفظی ترجمہ کی بجائے تفسیر کی تو بولنے والے اور سننے والے کسی پر بھی سجدہ واجب نہیں۔ (٣)

نماز میں سجدۂ تلاوت

١٢٦- **ضابطہ**: نماز میں سجدۂ تلاوت کا واجب ہونا صرف قیام میں تلاوت کے ساتھ خاص ہے۔ (٤)

تفریع: پس اگر کوئی شخص رکوع یا سجدہ یا قعدہ میں سجدے کی آیت تلاوت کرے تو سجدہ واجب نہ ہوگا، کیوں کہ ان ارکان میں قرأت ممنوع ہے۔ (٥)

١٢٧- **ضابطہ**: سجدۂ تلاوت کے حق میں پوری نماز مجلس واحد کے حکم میں ہے (٦)

تفریعات:

(١) پس نماز میں ایک ہی آیت سجدہ بار بار تلاوت کرتا رہا تو اخیر میں ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

(٢) اسی طرح نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کرلیا، پھر اسی رکعت میں وہی آیت پھر سے پڑھی تو دوبارہ سجدہ واجب نہ ہوگا، بلکہ دوسری تیسری یا چوتھی رکعت میں

---

(١) ہندیہ: ١/١٣٣۔ (٢) ولو تلاها بالفارسية اتفاقاً فهم أو لم يفهم لكونها قرآناً من وجه (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ٢٨٠) (٣) احسن الفتاویٰ: ٤/٦٢۔

(٤) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ٢/٥٧٨۔ (٥) ولا تجب على من تلا في ركوعه أو سجوده أو تشهده للحجر فيها عن القراة. (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ٢/٥٧٨)

(٦) مستفاد ہندیہ: ١/١٣٥۔

پڑھے تب بھی سجدہ واجب نہ ہوگا، یہی صحیح ہے، کیوں کہ پوری نماز مجلس واحد کے حکم میں ہے۔[۱]

۱۲۸- **ضابطہ**: ہر صورت میں آیت سجدہ سننے سے سجدہ نماز سے باہر واجب ہوتا ہے، خواہ نماز میں سنے یا نماز سے باہر؛ نمازی سے سنے یا غیر نمازی سے (مگر اپنے امام سے سنے تو یہ صورت مستثنیٰ ہے)[۲]

تفریعات:

(۱) پس اگر نمازی نے منفرد سے؛ یا اپنے امام کے علاوہ دوسرے امام سے؛ یا اپنے امام کے مقتدی سے؛ یا دوسرے امام کے مقتدی سے؛ یا خارج نماز کسی شخص سے آیت سجدہ سنی تو ان تمام صورتوں میں نماز سے فراغت کے بعد سجدہ کرے، اگر نماز ہی میں کرلیا تو کافی نہ ہوگا (تاہم نماز فاسد نہ ہوگی)[۳]

(۲) اسی طرح خارج نماز آدمی نے اپنے ہم مثل سے، یا کسی بھی نمازی سے آیت سجدہ سنی تو نماز سے باہر اس پر سجدہ لازم ہوگا (البتہ اگر نماز سے باہر امام سے آیت سجدہ سنی پھر وہ اسی رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوگیا تو سجدہ لازم نہیں، بلکہ اگر امام کے

---

(۱) المصلی إذا قرآ آية السجدة فی الأولی ثم أعادها فی الركعة الثانية و الثالثة وسجد للأولی لیس علیه أن یسجدها وهو الأصح، كذا فی الخلاصة (ہندیہ: ۱/ ۱۳۵) (۲) مستفاد شامی: ۲/ ۵۸۸، البحر: ۲/ ۲۱۳۔

(۳) ولو سمع المصلی السجدة من غيره لم يسجد فيها لأنها غير صلاتية، بل يسجد بعدها (الدر المختار) (ولو سمع المصلی) أی سواء كان إماما أو مؤتما أو منفردا، وقوله: "من غيره" أی ممن ليس معه فی الصلاة سواء كان إماما غير إمامه أو مؤتما بذالك الإمام أو منفرداً أو غير مصل أصلاً (شامی: ۲/ ۵۸۸) ولو سمعها المصلی من غيره سجد بعد الصلاة ولو سجد فيها أعادها لا الصلاة ("كنز الدقائق" مع البحر: ۲/ ۲۱۳)

ساتھ سجدہ مل جائے تو کرلے ورنہ وہ اسی رکعت میں شامل ہونے کی وجہ سے حکما سجدہ کرنے والا شمار ہوگا، اب اس پر نہ نماز میں سجدہ ہے اور نہ نماز کے باہر، لیکن اگر بعد والی رکعت میں شریک ہوا تو نماز سے باہر سجدہ لازم ہوگا جیسا کہ اوپر بیان ہوا) (۱)

۱۲۹- **ضابطہ**: ہر وہ سجدۂ تلاوت جو نماز میں واجب ہوا، اگر نماز میں ادا نہیں کیا تو وہ ساقط ہو جاتا ہے، یعنی نماز سے باہر اس کی قضا درست نہیں۔ (۲)

سفر شرعی اور مسافر کی نماز کا بیان

۱۳۰- **ضابطہ**: مسافت سفر میں اس راستہ کا اعتبار ہوتا ہے جس پر مسافر سفر کرتا ہے۔ (۳)

تفریعات:

(۱) پس اگر کسی مقام تک پہنچنے کے لئے دو راستے ہوں، ایک راستے سے مسافر ہوتا ہو اور دوسرے راستے سے نہ ہوتا ہو تو جس راستے سے سفر کرے گا اسی کا اعتبار ہوگا، اگر لمبے راستہ سے گیا تو مسافر ہوگا ورنہ نہیں۔ (۴)

(۲) اسی طرح اگر کوئی شخص ارادۂ سفر سے اپنی بستی کے اردگرد دیہاتوں میں اتنے چکر لگائے کہ اس کی مجموعی مسافت ۴۸ رمیل ہو جائے تو مسافر ہو جائے گا اور اس پر قصر

---

(۱) ولو سمع آية السجدة من إمام فلم يأتم به أصلا أو ائتم به في ركعة أخرى غير التي تلى الآية فيها وسجد لها الإمام، يسجد السامع سجودا خارج الصلاة ...... وإن ائتم السامع قبل سجود إمامه لها سجد معه ...... فإن اقتدى السامع به ......بعد سجودها وكان اقتدائه في ركعتها صار السامع مدركا لها حكما...... فلا يسجد أصلا (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی:۲۹۳، البحر الرائق:۲/۲۱۵)

(۲) وكل سجدة وجبت في الصلوٰة ولم تؤدى فيها سقطت (شامی:۲/۵۸۵)

(۳) مستفاد ہندیہ:۱/۱۳۸۔ (۴) ولو لموضع طريقان أحدهما مدة السفر والآخر أقل قصر في الأول لا الثاني (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۶۰۳)

لازم ہوگا۔[1]

فائدہ: ۴۸ر میل موجودہ زمانے کے حساب سے ۷۷ر کلومیٹر ۲۴۸ر میٹر ۵۱ر سینٹی میٹر ۲ر ملی میٹر کا ہوتا ہے[2] اس سے کم مسافت کے ارادہ سے سفر کیا تو قصر جائز نہیں، اگرچہ بلا ارادہ آگے بڑھتے بڑھتے پوری دنیا کا سفر کرلے۔[3]

۱۳۱- **ضابطہ:** جس جانب سے سفر کر رہا ہو اسی طرف سے آبادی سے نکلنے کا اعتبار ہے۔[4]

تشریح: پس اگر دوسری طرف راستے سے دور کوئی محلہ بڑھا ہوا ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔

البتہ اگر دونوں جانب اسی قسم کی آبادی ہو تو قصر کے لئے ان کی محاذات سے نکلنا ضروری ہوگا۔[5]

۱۳۲- **ضابطہ:** اگر دو آبادیاں آپس میں ملی ہوئی ہوں تو اس میں عرف کا اعتبار ہوگا۔[6]

تشریح: یعنی اگر عرف میں دونوں الگ الگ ہوں، حکومت اور کارپوریشن (یعنی میونسپلٹی اور نگر پالیکا) نے دونوں کے حدود والگ الگ مقرر کئے ہوں تو وہ دونوں مستقل آبادیاں (یعنی دو شہر) شمار ہوں گی (جیسے دہلی اور غازی آباد) پس شرعی مسافر کے اطلاق کے لئے اپنی آبادی کے حدود سے نکل جانا کافی ہے۔

اور اگر عرفاً ایک ہوں تو وہ دونوں مل کر ایک ہی آبادی شمار ہوں گی، قصر کے لئے

---

(۱) فتاویٰ دار العلوم: ۴/۴۷۵۔ (۲) الاوزان المحمودۃ۔ (۳) البحر الرائق: ۲/۲۲۶۔

(۴) من خرج من عمارۃ موضع اقامتہ من جانب خروجہ وان لم یجاوز من الجانب الآخر. (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۶۰۰)

(۵) فلو کان العمران من الجانبین فلابد من مجاوزتہ (شامی: ۲/۶۰۰، کبیری: ۴۶۲)

(۶) رحیمیہ: ۶/۳۶۳۔)

دونوں آبادیوں سے باہر نکلنا ضروری ہوگا۔

۱۳۳- **ضابطہ**: جب سفر سے واپس لوٹے تو اپنی اس آبادی کے حدود میں داخل ہونے سے مقیم ہوگا جہاں سے نکلنے سے مسافر ہوا تھا۔ (۱)

۱۳۴- **ضابطہ**: اصل یہ ہے کہ چیز باطل ہوتی ہے اپنی مثل سے یا اپنی مافوق چیز سے، یا اپنی ضد سے۔ کم درجہ والی چیز سے باطل نہیں ہوتی۔ (۲)

تشریح: مثل سے باطل ہونا: جیسے وطن اصلی باطل ہوتا ہے وطن اصلی سے؛ وطن اقامت باطل ہوتا ہے وطن اقامت سے؛ اور وطن سکنی (جہاں پندرہ دن سے کم اقامت کی نیت ہو) باطل ہوتا ہے وطن سکنی سے۔

مافوق سے باطل ہونا: جیسے وطن اقامت باطل ہوتا ہے وطن اصلی سے اور وطن سکنی باطل ہوتا ہے وطن اصلی اور وطن اقامت سے۔

ضد سے باطل ہونا: جیسے وطن اقامت اور وطن سکنی باطل ہوتے ہیں سفر شرعی سے۔

کم درجہ والی چیز سے باطل نہ ہونا: جیسے وطن اصلی باطل نہیں ہوتا وطن اقامت، وطن سکنی اور سفر کرنے سے؛ اور جیسے وطن اقامت باطل نہیں ہوتا وطن سکنی سے۔

تفریعات:

(۱) اگر محض نیت کی اور سفر شرعی شروع نہیں کیا تو وطن اقامت باطل نہیں ہوا، پس مسافر نہ ہوگا۔

(۲) سفر کیا لیکن سفر شرعی نہیں کیا بلکہ وطن اقامت کے گردونواح میں گیا تب بھی مقیم رہا، مسافر نہ ہوگا۔ (۳)

فائدہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی بچے اور سامان لے کر مستقل رہائش کی نیت سے دوسری جگہ منتقل ہو جائے تو یہ دوسری جگہ اس کی وطن اصلی بن گئی اور پہلی جگہ کی وطنیت

(۱) ہندیہ: ۱/۱۳۹۔ (۲) درمختار و شامی: ۲/۶۱۵۔

(۳) شامی: ۲/۶۱۵۔

ختم ہوگئی، اگر چہ پہلی جگہ میں اس کا سامان اور جائداد ہو۔[1]

لیکن اگر پہلی جگہ بھی بلحاظ موسم آتا جاتا رہے اور وہاں رہنے کا قصد ہو تو دونوں جگہیں وطن اصلی ہوں گی، پس کسی کے وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں۔[2]

۱۳۵- **ضابطہ**: وطن اقامت کے لئے سفر شرعی کی مسافت طے کرنا ضروری نہیں۔[3]

تشریح: پس اگر گھر سے سفر شرعی (۴۸ر میل) کے قصد سے نکلا، لیکن راستہ ہی میں کسی جگہ وطن اقامت بنالیا تو درست ہے، اس کے لئے ۴۸ر میل طے کرنا ضروری نہیں۔[4]

اسی طرح ایک جگہ وطن اقامت تھا اب اس کی جگہ دوسرا وطن اقامت بنانا چاہتا ہے تو دونوں کے درمیان ۴۸ر میل کا فاصلہ ضروری نہیں۔[5]

۱۳۶- **ضابطہ**: وطن اقامت کی تعیین ضروری ہے، ورنہ اقامت صحیح نہ ہوگی[6]

تفریع: پس اگر کوئی شخص دو شہروں کو ملا کر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے (گو ان کے درمیان معمولی فاصلہ ہو جیسے مکہ اور منیٰ) تو اس طرح دونوں میں سے کوئی بھی شہر وطن اقامت نہ ہوگا) اور آدمی مسافر ہی رہے گا۔

لیکن اگر پندرہ دن کی نیت اس طرح کی کہ ایک جگہ میں راتیں رہنے کا ارادہ ہے

---

(۱) يبطل بمثله إذا لم يبق له بالأول أهل - أى وإن بقي له فيه عقار (درمختار وشامی: ۲/۶۱۲) (۲) ولهم دور وعقار في القرى البعيدة منها، يصيفون بها بأهلهم ومتاعهم فلابد من حفظها أنهما وطنان له، لايبطل أحدهما بالآخر (البحر الرائق: ۲/۲۳۹)

(۳) مستفاد ھندیہ: ۱/۱۴۲۔ (۴) وإن لم يتقدمه السفر ولم يكن بينه وبين أهله ثلاثة أيام كذا في السراج، وهو ظاهر الرواية. (ہندیہ: ۱/۱۴۲، کبیری: ۴۶۹)

(۵) سواء كان بينهما مسيرة سفر أو لا (شامی: ۲/۶۱۴، ہندیہ: ۱/۱۴۲)

(۶) مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۲۳۶۔

اور دوسری جگہ میں دن گذارنے کا تو وہ مقیم ہو جائے گا، نمازیں پوری پڑھے، کیوں کہ اعتبار راتوں کا ہے۔[۱]

۱۳۷- **ضابطہ**: اقامت کے لئے ایک ساتھ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ضروری ہے۔[۲]

تشریح: پس اگر کوئی مسافر کسی جگہ اس ارادہ سے ٹھہرا کہ کل پرسوں جب کام پورا ہو جائے گا چلا جاؤں گا، جب وہ دن گذر گئے، پھر یہی نیت کی اس طرح سے پندرہ دن بلکہ سال بھر بھی ہو جائے تو قصر کرتا رہے۔

۱۳۸- **ضابطہ**: نیت اقامت میں متبوع کی نیت کا اعتبار ہے، تابع کی نیت کا نہیں۔(۳)

تشریح: پس جو شخص سفر میں کسی اور کے تابع ہو، جیسے بیوی اپنے شوہر کی؛ غلام اپنے مولیٰ کا؛ فوجی اپنے سپہ سالار کا؛ شاگرد اپنے استاذ کا اور ڈرائیور اس شخص کا جس نے اس کی گاڑی اجرت پر لی ہے تو ظاہر الروایت کے بموجب ان کی نیت اقامت کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ وہ جن کے تابع ہیں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اگر وہ متبوع پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرلے تو یہ سب ماتحت لوگ بھی مقیم ہو جائیں گے، ورنہ نہیں۔[۴]

۱۳۹- **ضابطہ**: سفر شروع کرتے وقت نماز کا اہل ہونا ضروری ہے (ورنہ قصر جائز نہیں)[۵]

تفریع: پس اگر عورت نے حیض کی حالت میں سفر شروع کیا تو وہ مسافر نہ ہوگی، راستے میں پاک ہو جائے تو نماز پوری پڑھے، کیوں کہ حائضہ نماز کی اہل نہیں ہے، پس

(۱) وکذا تصح إذا عین المبیت بواحدۃ من البلدتین لأن الاقامۃ تضاف لمحل المبیت (مراقی الفلاح علی ہامش الطحاوی: ۲۲۶) (۲) البحر: ۲/۲۳۱۔

(۳) البحر: ۲/۲۳۱، الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۶۱۶۔ (۴) البحر: ۲/۲۴۱۔

(۵) مستفاد شامی: ۲/۶۱۹۔

اس حالت میں سفر شروع کرنے کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔ [1]

ہاں البتہ جہاں پاک ہوئی ہے وہاں سے ۴۸ میل کا سفر اور باقی ہو تو پھر مسافر ہوگی، نماز قصر کرے، اسی طرح گھر سے پاک نکلی تھی اور راستے میں حیض آگیا تو بھی مسافر ہے۔

۱۴۰- **ضابطہ**: فرض کی تبدیلی میں آخری وقت کا اعتبار ہے۔ [2]

تفریع: پس اگر نماز نہیں پڑھی تھی اور آخری وقت میں مسافر ہوگیا تو قصر کرے ـــــ یا مسافر تھا اور مقیم ہوگیا تو نماز پوری پڑھے۔ [3]

۱۴۱- **ضابطہ**: سفر کی قضا قصر کے ساتھ اور حضر کی قضا اتمام کے ساتھ پڑھی جائے گی، خواہ سفر میں پڑھے یا حضر میں۔ [4]

جمعہ کی نماز کا بیان

۱۴۲- **ضابطہ**: دیہاتی جب شہر میں داخل ہو تو وہ بھی حکماً شہری بن جاتا ہے، جبکہ پورا دن ٹھہرنے کی نیت ہو، ورنہ نہیں۔ [5]

تفریع: پس دیہات کا رہنے والا آدمی جب جمعہ کے دن شہر میں داخل ہو تو اگر پورا دن شہر میں ٹھہرنے کی نیت ہو تو اس پر جمعہ فرض ہو جائے گا ـــــ لیکن اگر یہ نیت ہو کہ اسی دن جمعہ سے پہلے یا کچھ بعد چلا جائے گا تو اس پر جمعہ واجب نہیں، یہی مختار ہے (لیکن اگر جمعہ پڑھ لے تو اجر پائے گا اور ظہر ذمہ سے اتر

(۱) طهرت الحائض وبقي لمقصدها يومان تتم في الصحيح (درمختار) قال ط: وكانه لسقوط الصلاة عنها فيما مضى لم يعتبر حكم السفر فيه فلما تأهلت للأداء اعتبر من وقته. (شامی:۲/۶۱۹، کبیری:۴۶۶)

(۲) والمعتبر في تغير الفرض آخر الوقت (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۲/۶۱۳، شامی:۲/۶۱۸) (۳) کبیری:۴۶۸۔ (۴) البحر:۲/۲۴۱۔ (۵) ھندیہ:۱/۱۴۵۔

جائے گی)[۱]

فائدہ: البتہ اگر کوئی شرعی مسافر جمعہ کے روز شہر میں آئے تو اس پر جمعہ فرض نہیں، خواہ اس روز ٹھہرنے کی نیت بھی کرلے (بشرطیکہ پندرہ روز اقامت کی نیت نہ ہو ورنہ جمعہ فرض ہو جائے گا)[۲]

۱۴۳- **ضابطہ**: شہر میں رہنے والے وہ لوگ جن پر جمعہ فرض نہیں ان پر اس دن ظہر کی نماز تنہا پڑھنا لازم ہے، جماعت سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے (خواہ جمعہ سے پہلے ہو یا بعد میں)[۳]

تشریح: پس معذور، مریض، اپاہج، غلام، نابینا، مسافر، عورت ان سب کو چاہئے کہ جمعہ کے دن ظہر میں جماعت نہ کریں، خواہ جمعہ سے پہلے یا بعد میں، اس لئے کہ جماعت کرنے سے جمعہ کی نماز کم ہو جائے گی، غیر معذور بھی معذوروں کو دیکھ کر ظہر میں شریک ہو جائیں گے۔

خطبۂ جمعہ وعیدین:

۱۴۴- **ضابطہ**: خطبہ میں ضروری ہے کہ خطیب کے علاوہ کم از کم ایک آدمی ایسا موجود ہو جس میں امامت کی اہلیت ہو۔[۴]

---

(۱) القروی إذا دخل المصر ونوی أن یمکث یوم الجمعة لزمته الجمعة لأنه صار کواحد من أهل المصر فی حق هذا الیوم وإن نوی ان یخرج فی یومه ذالك قبل دخول الوقت أو بعد الدخول لاجمعة علیه ولوصلی مع ذالك کان ماجوراً (ہندیہ: ۱/۱۴۵، شامی: ۳/۴۰)

(۲) کما لا تلزم لوقدم مسافر یومها علی عزم أن لایخرج یومها (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۳/۴۰) (۳) ویکره للمعذورین والمسجونین اداء الظهر بجماعة فی المصر یوم الجمعة سواء کان قبل الفراغ من الجمعة أو بعده ...... الخ (کبیری: ۴۸۵) (۴) مستفاد ہندیہ: ۱/۱۴۶۔

تفریع: پس اگر امام نے تنہا خطبہ پڑھا؛ یا عورتوں، یا بچوں، یا مجنونوں کے سامنے پڑھا تو صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں۔ [۱]

فائدہ: اور اس ایک آدمی کا موجود ہونا ہی کافی ہے، ضروری نہیں کہ وہ خطبہ سنے بھی پس اگر وہ بہرا ہو یا سو رہا ہو یا دور ہو کہ آواز نہ پہنچتی ہو تب بھی خطبہ جائز و درست ہے۔ [۲]

۱۴۵- **ضابطہ**: عربی کی علاوہ کسی بھی زبان میں خطبہ دینا مکروہ تحریمی ہے [۳]

تشریح: پس اردو، فارسی وغیرہ غیر عربی زبانوں میں خطبہ دینا خلاف توارث وتعامل ہونے کی بنا پر مکروہ تحریمی ہے، عربی میں خطبہ دینا واجب ہے۔ (یہ حکم جب ہے کہ خطبہ میں ذکر اللہ کا تحقق بھی ہو جائے ورنہ خطبہ صحیح نہ ہوگا، جس کی وجہ سے نماز درست نہ ہوگی)

۱۴۶- **ضابطہ**: دونوں خطبوں کی مجموعی مقدار "طوال مفصل" کی کسی سورت کے برابر ہونی چاہئے، اس سے زیادہ لمبا خطبہ مکروہ ہے۔ [۴] (جیسا کہ تشہد کی مقدار سے خطبہ کم کرنا امام صاحبؒ کے نزدیک مکروہ ہے)

فائدہ: حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کی نماز کا لمبا ہونا اور اس کے خطبے کا مختصر ہونا اس کے سمجھدار ہونے کی علامت ہے۔ [۵]

۱۴۷- **ضابطہ**: جو چیز نماز میں حرام وممنوع ہے جمعہ وعیدین کے خطبہ میں بھی حرام وممنوع ہے۔

---

(۱) وفی الروایۃ الثانیۃ عنهم یشترط حضور واحد فی الصحیح (مراقی الفلاح: ۵۱۰) خطب وحده أو بحضرة النساء الصحیح انه لایجوز (ہندیہ: ۱/۱۴۶)

(۲) ولایشترط سماع جماعة (مراقی) ولو خطب والقوم نیام او صم جاز...... الخ (ہندیہ: ۱/۱۴۶) (۳) عمدۃ الرعایۃ: ۱/۲۴۲۔ (۴) والرابع عشر: تخفیف الخطبتین بقدر سورة من طوال المفصل ویکره التطویل (ہندیہ: ۱/۱۴۷)

(۵) (مسلم شریف: حدیث: ۱۹۵۹، صحیح ابن خزیمۃ: حدیث ۱۷۸۱)

جیسے:

(۱) خطبہ میں کھانا پینا، بات کرنا، سلام یا چھینک کا جواب دینا سب منع اور حرام ہے، یہاں تک کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی جائز نہیں (البتہ اگر اشارے سے نہی عن المنکر کرے تو مضائقہ نہیں)[1]

(۲) اسی طرح خطبہ میں نبی پاک ﷺ کا اسم مبارک سن کر درود شریف پڑھنا مکروہ ہے (البتہ دل میں پڑھ لے تو بہتر ہے، تاکہ خطبہ سننا اور دورد پڑھنا دونوں باتوں پر عمل ہوجائے)[2]

(۳) چھینک کے وقت الحمدللہ اور خطیب کے دعائیہ کلمات پر آمین بھی نہ کہے (البتہ دل میں کہہ لینا بہتر ہے)[3]

(۴) خطیب کے لئے بھی خطبہ میں کلام کرنا مکروہ ہے، جب منبر پر چڑھے تو لوگوں کو سلام نہ کرے، مگر کسی کو نیکی کا حکم کرے یا برے کام سے روکے تو جائز ہے (جیسا کہ حضرت عمرؓ کا حضرت عثمان سے کلام کرنا ثابت ہے)

(۵) خطیب اگر خطبہ میں غلطی کرے تو لقمہ بھی نہیں دینا چاہئے کیوں کہ خطبہ میں ہر قسم کا تکلم منع ہے اور خطیب کے لئے کوئی متعین مضمون پڑھنا ضروری نہیں، اگر کسی مضمون میں رک گیا تو کچھ اور پڑھ سکتا ہے، پس لقمہ دینے کی حاجت بھی نہ رہی[5]

---

(۱) نحو أن رأى منكرا فنهاه بيده أو أخبر بخبر فأشار برأسه فالصحيح أنه لا بأس به (ہندیہ: ۱/۱۴۷) (۲) ولا يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، وقالا: يصلي السامع في نفسه...... الخ (البحر: ۲/۲۵۹، مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۵۱۹)

(۳) البحر: ۲/۲۵۹، مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۵۱۹۔

(۴) ولا يسلم الخطيب على القوم اذا استوى على المنبر (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۵۲۰) ويكره للخطيب أن يتكلم في حال الخطبة الا أن يكون امرا بمعروف (ہندیہ: ۱/۱۴۷) (۵) احسن الفتاوی: ۴/۱۵۱۔

(البتہ قرآن کی آیت پڑھنے میں غلطی کرے تو لقمہ دینا ضروری ہے، جیسے نماز میں)

۱۴۸- **ضابطہ**: جب خطیب خطبہ کے لئے نکلے تو کسی قسم کی نماز جائز نہیں (۱)

تشریح: پس نماز قضا، واجب، سنت، حتی کہ سجدۂ تلاوت بھی اس وقت جائز نہیں۔

(ہاں مگر جس کے ذمہ قضا نماز ہو اور وہ صاحب ترتیب ہو تو قضا نماز مکروہ نہیں، بلکہ پڑھنا واجب ہے، کیوں کہ بغیر اس کے نماز جمعہ درست نہ ہوگی) (۲)

اور اگر کوئی نماز شروع کی اور خطیب نکلا تو اگر وہ نفل نماز ہے تو (جلدی سے) دو رکعتوں پر سلام پھیر لے، اور اگر تیسری رکعت شروع کر چکا ہو تو (مختصراً) چاروں رکعات پوری کرلے۔ البتہ جمعہ کی سنتوں میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ ان میں دو رکعت پر سلام نہ پھیرے بلکہ مختصر قراءت کر کے جلدی سے چار رکعت مکمل کرلے، کیوں کہ وہ حکماً واجب نماز کی طرح ہے۔ (۳)

---

(۱) (فلا صلاۃ) سواء کانت قضاء فائتۃ أو صلاۃ جنازۃ..الخ (حاشیۃ الطحطاوی: ۵۱۸) (۲) إلا تذکر فائتۃ ولو وترا وهو صاحب ترتیب فلا یکره الشروع فیها حینئذ بل یجب لضرورۃ صحۃ الجمعۃ (حاشیۃ الطحطاوی: ۵۱۸)

(۳) وأفاد انه لایکره الشروع قبل الخروج فیتم ماشرع فیه ولو خطب الإمام من غیر کراهۃ مطلقا إلا إذا کان فی نفل فإنه یتم شفعا ثم یقطع ولو کان خروجه بعد القیام للثالثۃ أتم أیضاً..واختلف فی سنۃ الجمعۃ ..والصحیح انه یتمها لأنه کصلاۃ واحدۃ واجبۃ (حاشیۃ الطحطاوی: ۵۱۸)

کتاب الجنائز

مرض وفات، غسل، کفن، دفن

۱۴۹- **ضابطہ:** مریض (مرض وفات میں) جب تک دنیوی بات نہ کرے اس کے کلمہ پڑھنے کا حکم باقی رہتا ہے۔ [1]

تفریع: پس جب جانکنی کے وقت مریض نے ایک بار کلمہ پڑھ لیا تو اب تلقین کرنے والے کو خاموش ہوجانا چاہئے، کیوں کہ تلقین سے مقصد یہ ہے کہ آخری بات جو مریض کے منھ سے نکلے وہ کلمہ ہو، دم نکلنے تک کلمہ جاری رہنا ضروری نہیں۔ پس اگر کلمہ پڑھنے کے بعد وہ کوئی دینی بات بولے، یا ذکر کرے تو حرج نہیں۔

ہاں اگر دنیوی بات بولے مثلاً کھانے پینے کو کہے، یا استنجاء کے لئے کہے، یا کسی کی خیر خبر پوچھے تو دوبارہ تلقین کی جائے۔

فائدہ: تلقین بالاجماع مستحب ہے، اور تلقین یہ ہے کہ میت کے پاس کلمہ شہادت یا کلمہ طیبہ اتنی بلند آواز سے پڑھا جائے کہ مریض سنے اور پڑھے جب وہ سنے گا تو پڑھے گا، لیکن خود مریض سے پڑھنے کو نہ کہا جائے، کیوں کہ وہ وقت بڑا نازک اور سخت ہوتا ہے مبادا وہ انکار کردے یا جھڑک دے۔ [2]

۱۵۰- **ضابطہ:** میت کو جب تک غسل دینا ممکن ہو غسل دینا ضروری ہے

(۱) وإذا قالها مرة كفاه ولا يكرر عليه مالم يتكلم (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۳/۷۸)

(۲) من غير أمره بها لئلا يضجر (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۳/۸۰)

(بلا غسل نماز جنازہ جائز نہیں) اور اگر ممکن نہ ہو تو غسل معاف ہے۔[۱]

تفریعات:

(۱) پس اگر میت کو قبر میں اتار دیا گیا ہے تو جب تک مٹی نہ ڈالی ہو نکال کر غسل دینا لازم ہے۔ (اور اگر مٹی ڈال کر قبر بند کردی تو اب نکالا نہ جائے، کیوں کہ اس میں حرج ومشقت ہے، اب اس کی قبر پر نماز پڑھ لی جائے، اگر چہ دفن سے پہلے نماز پڑھ لی گئی ہو، کیوں کہ اس وقت بوجہ امکان غسل کے وہ نماز جائز نہیں ہوئی تھی، یہ استحسان ہے اور یہی راجح واولیٰ ہے)[۲]

(۲) اگر مردہ بہت زیادہ زخمی ہو یا اس قدر پھول اور سڑ گیا ہو کہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے، یا ہاتھ لگانے سے کھال اترنے کا خطرہ ہے تو باقاعدہ غسل ضروری نہیں (بلکہ بغیر ہاتھ لگائے اس پر صرف پانی بہالینا کافی ہے اور یہ پانی بہانا واجب ہے، بشرطیکہ بہانا ممکن ہو)[۳]

۱۵۱- **ضابطہ**: بلا نماز دفن کرنے میں قبر پر نماز اس وقت تک جائز ہے جب تک کہ لاش قبر میں پھٹ نہ گئی ہو۔[۴]

تشریح: پس اگر لاش پھٹ جانے کا گمان غالب ہو تو اب قبر پر نماز جائز نہیں ـــــ اور لاش پھٹنے کی مدت کی کوئی تحدید نہیں، جگہ، وقت اور میت کے اعتبار سے یہ مدت مختلف ہوتی ہے، یعنی گرمی سردی، زمین کی نمی خشکی اور میت کے موٹے وپتلے

---

(۱) وطهارته مادام الغسل ممكنا (هندیہ: ۱۶۲/۱) (۲) مالم یهل علیه التراب أما لو دفن بلا غسل ولم یهل علیه التراب فإنه یخرج ویغسل ویصلی علیه...... استحسانا، لأن تلك الصلوة لم یعتد بها لترك الطهارة مع الامكان، والآن زال الامكان وسقطت فریضة الغسل (شامی: ۱۰۲/۳)

(۳) وفی الفتاوی العتابیة: ولو كان المیت متفسخا یتعذر مسه كفی صب الماء علیه (تاتارخانیہ: ۱۳۶/۲) (۴) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱۲۵/۳۔

ہونے کی وجہ سے یہ مدت مختلف ہوتی ہے، اس لئے اس کی کوئی تعیین کرنا درست نہیں بلکہ مذکورہ چیزوں کو سامنے رکھ کر غالب گمان پر عمل کیا جائے یہی اصح ہے (اگرچہ بعض نے تین دن اور بعض نے دس دن اور بعض نے ایک ماہ مدت مقرر کی ہے) [۱]

فائدہ: دفن سے پہلے بھی (زیادہ دیر ہونے کی وجہ سے) اگر لاش بالکل گل سڑ گئی ہو تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔ [۲]

۱۵۲- **ضابطہ:** غسل میت کے لئے غسل دینے والے کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔ [۳]

تفریع: پس ہسپتال میں نرس، یا ڈاکٹر، وغیرہ کا دیا ہوا غسل (جبکہ وہ صحیح معنی میں غسل ہو) کافی ہے، اگرچہ وہ نرس یا ڈاکٹر غیر مسلم ہو (البتہ گھر پر لاکر باقاعدہ مسنون طریقہ پر دوبارہ نہلانا بہتر ہے)

۱۵۳- **ضابطہ:** میت کے غسل میں زندوں کا فعل ضروری ہے۔ [۴]

تفریعات:

(۱) پس اگر کوئی میت بارش میں بھیگ گئی تو یہ غسل کافی نہ ہوگا۔ [۵]

(۲) اسی طرح اگر کوئی آدمی ڈوب کر مرجائے تو اس کو پانی سے نکالنے کے بعد غسل دینا فرض ہے، اس کا پانی میں رہنا غسل کے لئے کافی نہیں (ہاں البتہ اس کو پانی سے نکالتے وقت غسل کی نیت سے حرکت دیدی تو غسل ہوگیا، کیوں کہ اب یہ زندہ کی

---

(۱) وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير الصلاة أو بها بلا غسل أو ممن لاولاية له صلى على قبره استحسانا مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الأصح الخ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۳/۱۲۵) (۲) ولايصلى بعد التفسخ لأن الصلوة شرعت على بدن الميت فاذا تفسخ لم يبق بدنه قائماً (البحرالرائق: ۲/۳۲۰)

(۳) ولذا صح تغسيل الذمية زوجها المسلم (شامی: ۳/۹۳)

(۴) ليسقط الفرض عنا بفعلنا (شامی: ۳/۹۳) (۵) شامی: ۳/۹۲۔

طرف سے فعل پایا گیا، پس اب دوبارہ نہلانا ضروری نہیں مگر ایک بار حرکت دینے سے غسل مسنون ادا نہ ہوگا، سنت کا مطالبہ باقی رہے گا، البتہ تین بار حرکت دیدے تو غسل مسنون بھی ادا ہو جائے گا)(۱)

۱۵۴۔ ضابطہ: میت کے کفن پر کسی بھی قسم کا دینی کلمہ لکھنا جائز نہیں۔

تشریح: پس کفن پر قرآن کریم، حدیث شریف، کلمہ شہادت، تسبیح، وغیرہ لکھنا بوجہ بے ادبی کے جائز نہیں (کیوں کہ میت کے گل سڑنے پر ان کلمات کی بے حرمتی ہوگی) اور در مختار میں جو کچھ اس سلسلہ میں لکھا ہے علامہ شامیؒ نے اس کی تردید کی ہے، ابن الصلاح سے بھی عدم جواز کا فتوی نقل کیا ہے۔

ہاں اگر لکھنا ہو تو محض انگلی سے بغیر روشنائی کے میت کے پیشانی پر کچھ لکھ دیا جائے تو گنجائش ہے، کہ اس طرح بے ادبی نہیں ہوگی، تاہم یہ لکھنا بھی دلیل سے ثابت نہیں۔ غور کا مقام ہے: اگر لکھنا دلیل سے ثابت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالی سے ضرور منقول ہوتا۔(۲)

۱۵۵۔ ضابطہ: جنازہ کو کندھوں پر لے جانا واجب ہے (مگر یہ کہ مجبوری ہو)(۳)

تشریح: پس جنازہ کو گاڑی یا پہیے والے تابوت یا کسی سواری پر لے جانا جائز نہیں، خواہ بچہ کا جنازہ ہو(۴) مگر یہ کہ انتہائی مجبوری ہو مثلاً قبرستان کئی میل دور ہو یا راستہ تنگ ہو وغیرہ تو پھر گاڑی پر لے جانے میں حرج نہیں۔

لیکن اگر میت دودھ پیتا بچہ یا اس سے کچھ بڑا ہو اور ایک شخص اپنے دونوں ہاتھوں

---

(۱) لو وجد فی الماء فلابد من غسله ثلاثا، لانا امرنا بالغسل فیحرکه فی الماء بنیة الغسل ثلاثا فتح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۳/۹۲)

(۲) مستفاد: محمودیہ:۸/۵۳۹، شامی:۳/۱۵۸، احسن الفتاوی:۱/۳۵۱۔

(۳) مستفاد ھندیہ:۱/۱۶۲، الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۳/۱۳۵۔

(۴) و لذا کرہ حمله علی ظهر و دابة (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۳/۱۳۵)

پر اٹھا کر لے جائے تو مضائقہ نہیں، پھر اس سے دوسرا آدمی لے لے اس طرح بدلتے ہوئے جائیں۔[۱]

۱۵۶- ضابطہ: جنازہ پر ہر قسم کی زیب وزینت مکروہ ہے۔

تشریح: پس جنازہ پر پھول، یا پھول کی چادر ڈالنا جائز نہیں، حضور ﷺ اور تابعین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔[۲]

اسی طرح سرخ، زرد، وغیرہ شوخ چادر ڈالنا بھی درست نہیں، یعنی مکروہ ہے (سفید چادر استعمال کرنا مستحب ہے) البتہ عورت کے جنازہ پر رنگین چادر ڈالنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے لئے بھی سفید چادر ہی بہتر ہے۔[۳]

۱۵۷- ضابطہ: مسلمان کی کسی غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت جائز نہیں۔[۴]

تشریح: پس ہندو، یہودی، عیسائی، قادیانی، شیعہ غالی، سکھ، پارسی، وغیرہ کے جنازہ کو کاندھا دینا، اور کفن دفن اور ان کے رسومات میں شریک ہونا مسلمان کے لئے جائز نہیں ـــــ البتہ ان کے جنازہ کے ساتھ چند قدم چلنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ تعلق ہو یا کوئی مصلحت ہو، ورنہ یہ بھی درست نہیں ـــــ البتہ غیر مسلم اس کا قریبی رشتہ دار ہو تو بدرجہ مجبوری کفن دفن میں شریک ہوسکتا ہے، بلا ضرورت مناسب نہیں۔[۵]

فائدہ: اور اہل اسلام میں سے باطل مذاہب والے، جیسے بدعتی، غیر مقلد، جماعت اسلامی، شیعہ غیر غالی (یعنی جن کی تکفیر نہیں کی گئی) کے جنازہ کو کاندھا دینا، کفن دفن میں شریک ہونا اور ان کی نماز جنازہ پڑھنا سب جائز ہے، کیوں کہ ان جماعتوں کا اہل سنت سے اختلاف بنیادی اصول وعقائد میں نہیں ہے، یعنی اس حد تک نہیں ہے جس

---

(۱) ان الصبی الرضیع او الفطیم او فوق ذالك قليلا إذا مات فلا بأس بأن يحمله رجل واحد على يديه الخ (ہندیہ: ۱/۱۶۲) (۲) من احدث فی امرنا هذا ماليس منه فهو رد (مشکوٰۃ: ۱/۲۷- امداد الاحکام ۱/۹۲) (۳) مستفاد: فتاوی دار العلوم وحاشیتہ: ۵/۲۸۴- (۴) فتاوی: دار العلوم- (۵) فتاوی: دار العلوم ۵/۲۵۳-

سے تکفیر کی جائے، پس یہ لوگ فاسق تو ہیں مگر کافر نہیں۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: صلو علی کل بر وفاجر (ہر نیک وبد کی نماز جنازہ پڑھو)[۱]

البتہ اہل حق میں جو مقتدا ہیں وہ ایسے باطل مذہب والوں کے جنازہ میں بلا ضرورت شرکت نہ کریں، تاکہ ان کی حاضری سے عوام کو ان کے مذہب کی سچائی کے متعلق غلط فہمی نہ ہو جائے، اسی وجہ سے حدیث میں بدعتی کی تکریم سے منع کیا گیا ہے (مؤلف)

نماز جنازہ کا بیان

۱۵۸- **ضابطہ**: نماز جنازہ میں جماعت لازم نہیں۔[۲]

تفریع: پس تنہا شخص کی نماز خواہ پڑھنے والا مرد ہو یا عورت سب کی طرف سے فرضیت ادا کرنے کے لئے کافی ہے۔

۱۵۹- **ضابطہ**: نماز جنازہ ہر اس مسلمان میت کی پڑھیں گے جس نے دنیا میں آکر کچھ نہ کچھ زندگی پائی ہے۔[۳]

تفریعات:

(۱) پس نومولود بچہ میں زندگی کی کوئی علامت مثلاً رونا، حرکت کرنا، آنکھ جھپکنا، وغیرہ پائی گئی ہو تو (اس کو باقاعدہ غسل وکفن دے کر) نماز جنازہ پڑھیں گے۔

(۲) اور جو بچہ مرا ہوا پیدا ہوا، یعنی ماں کے پیٹ سے اس کا اکثر حصہ نکل جانے کے بعد زندگی کا کوئی اثر نہیں پایا گیا (اکثر حصہ نکلنے سے پہلے زندگی کا کوئی اعتبار نہیں) تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے (البتہ غسل، کفن ودفن سب کرنا ضروری ہے، لیکن اس کو غسل مسنون اور کفن مسنون دینا ضروری نہیں بلکہ یونہی پانی ڈال کر نہلا کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے)

(۳) ناتمام بچہ یعنی جس بچہ کی خلقت تام نہ ہوئی ہو لیکن کچھ اعضاء مثلاً انگلی وغیرہ

(۱) مستفاد: فتاوی دار العلوم: ۲۹۰/۵-۳۵۳-(۲) ہندیہ: ۱۶۲/۱-(۳) ہندیہ: ۱۶۳/۱-

بن گئے ہوں اس کا بھی یہی حکم ہے، یعنی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے۔

۱۲۰- **ضابطہ**:: نماز جنازہ میں ولایت کی ترتیب وہی ہے جو نکاح اور وراثت کے عصبات میں ہے، البتہ اتنا فرق ہے کہ یہاں بیٹے کے بجائے باپ کو تقدم حاصل ہے۔ (۱)

تشریح: پس ترتیب یوں ہوگی: سب سے پہلے باپ کو ولایت حاصل ہے، اس کے بعد دادا کو، پھر پردادا کو اوپر تک، پھر بیٹے کو، پھر پوتے کو نیچے تک، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو میت کا سگا بھائی مستحق ہے، پھر باپ شریک بھائی، پھر ان کی اولاد اسی ترتیب سے، یہ لوگ نہ ہوں تو میت کا سگا چچا، پھر سوتیلا چچا یعنی باپ کا سوتیلا بھائی، پھر ان کی اولاد اسی ترتیب سے، اگر ان میں سے بھی کوئی نہ ہو تو میت کے باپ کا چچا ولی ہوگا، پھر اس کی اولاد، اگر یہ بھی نہ ہو تو دادا کا چچا، پھر اس کی اولاد مستحق ہے، اور یہ حضرات نہ ہوں تو میت کا نانا، پھر ماموں کو حق حاصل ہے لیکن عورت، نابالغ بچے اور مجنون کو ولایت حاصل نہیں۔ (۲)

اور اگر دو ولی درجہ میں برابر ہوں مثلاً دو بیٹے ہوں یا دو بھائی ہوں تو ان میں جو عمر میں بڑا ہو اس کو حق حاصل ہوگا۔ (۳)

فائدہ: ولایت کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر نماز پڑھ لی گئی تو ولی اعادہ کرسکتا ہے، اگرچہ میت نے کسی کیلئے وصیت کی ہو، اس لئے کہ نماز جنازہ پڑھانے اور غسل دینے کی وصیت باطل ہے یعنی اس کا نافذ کرنا ضروری نہیں، وصیت سے ولی کا حق باطل نہیں ہوتا ـــــ البتہ کسی نیک آدمی کو نماز پڑھانے کی وصیت کی ہو اور وہ

(۱) ثم الولی بترتیب عصوبۃ الانکاح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱۲۰/۳) والاولیاء علی ترتیب العصبات الأقرب فالأقرب، إلا الأب فإنه يقدم على الابن (ہندیہ: ۱/ ۱۶۳) (۲) ولا حق للنساء في الصلاة على الميت ولا للصغار (ہندیہ: ۱/ ۱۶۳)

(۳) فإن تساوی ولیان في درجة فأكبرهم سنا أولى (ہندیہ: ۱/ ۱۶۳)

موجود ہو تو بہتر ہے کہ ولی کی اجازت سے وہ نماز پڑھائے اور اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کے انتظار میں (غیر معمولی) تاخیر کرنا صحیح نہیں۔ (۱)

۱۶۱- **ضابطہ**: نماز جنازہ کا کوئی وقت متعین نہیں، جب بھی جنازہ تیار ہو جائے وہی جنازہ پڑھنے کا وقت ہے۔

تشریح: پس خواہ اوقات مکروہہ طلوع، غروب اور زوال کے وقت میں جنازہ تیار ہوا تو وہی اس کا وقت ہے، اس میں نماز جائز ہے —— البتہ اگر اوقات مکروہہ سے پہلے جنازہ تیار ہو گیا ہو، لیکن تاخیر کی گئی اور مکروہ وقت آ گیا تو اب اس وقت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس کے بعد ادا کریں۔

اور اگر فرض نماز کے وقت جنازہ تیار ہوا تو پہلے فرض پڑھیں پھر نماز جنازہ اور اس کے بعد سنتیں ادا کریں، یہی اصل ہے، لیکن اگر فرض کے بعد سنت مؤکدہ پڑھ لیں (جو فرض کے تابع ہیں) پھر جنازہ پڑھیں تب بھی کوئی حرج نہیں۔ (۳)

۱۶۲- **ضابطہ**: نماز کی صحت کے لئے میت کا اکثر جسم امام کے سامنے زمین پر موجود ہونا ضروری ہے۔ (۴)

تفریعات:

(۱) پس اگر ایکسیڈنٹ وغیرہ میں میت کا اکثر جسم نہیں ملا، بلکہ نصف بدن یا اس سے کم ملا تو اس پر نماز نہیں پڑھیں گے، اور اگر نصف سے زائد ملا، اگرچہ بغیر سر کے ہو تو

---

(۱) والفتوى على بطلان الوصية بغسله والصلاة عليه (الدر المختار) لو أوصى بأن يصلي عليه غير من له حق التقدم أو بأن يغسله فلان لايلزم تنفيذ وصيته، ولا يبطل حق الولي بذالك (شامی: ۱۲۲/۳) (۲) ہندیہ: ۱/ ۱۵۲، البحر الرائق: ۲/ ۲۳۳۔

(۳) محمود یہ: ۸/ ۵٦٤ - وفي البحر: أن الفتوى على تاخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة وهي سنة، فعلى هذا تؤخر عن المغرب لانها آكد۔

(۴) ہندیہ: ۱/ ۱٦۴۔

پھر نماز لازم ہے۔[1]

(۲) میت کو امام نے اپنے سامنے نہیں رکھا بلکہ پیچھے رکھا تو اس طرح نماز جائز نہیں۔[2]

(۳) اسی طرح اگر میت بالکل غائب ہو تو یہ غائبانہ نماز (احناف کے یہاں) جائز نہیں (اور حضور ﷺ نے حضرت اصحمہؓ (نجاشی بادشاہ) کی نماز جنازہ جو غائبانہ پڑھائی ہے، وہ آپ کی خصوصیت ہے، اللہ تبارک وتعالی نے تمام پردے ہٹا کر جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کر دیا تھا)[3]

(۴) میت (جنازہ) زمین پر نہ ہو، بلکہ لوگوں کے ہاتھوں میں یا جانور یا گاڑی پر ہو تو اس صورت میں بھی نماز صحیح نہیں۔

البتہ اگر زمین پر رکھنے میں عذر ہو مثلاً زمین پر کیچڑ وغیرہ ہو تو گاڑی یا تخت وغیرہ پر جنازہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔[4]

۱۶۳- **ضابطہ**: نماز جنازہ میں امام کا مقام (کھڑے رہنے کی جگہ) میت کے سینہ کے سامنے ہونی چاہئے، خواہ میت مذکر ہو یا مؤنث؛ بالغ ہو یا نابالغ۔[5]

تشریح: کیوں کہ سینہ دل کا مقام ہے، جس میں نور ایمان ہے، پس اس میں ایمان کی برکت سے شفاعت کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن اگر امام میت کے جسم کے کسی اور

---

(۱) وجد رأس آدمي أو أحدشقيه لايغسل ولايصلى عليه بل يدفن إلا أن يوجد أكثر من نصفه ولو بلارأس (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۹۲/۳)

(۲) فلا تصح على......موضوع خلفه (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۱۰۵/۳)

(۳) وصلاة النبي صلى الله عليه وسلم على النجاشي لغوية أو خصوصية (درمختار) لأنه رفع سريره حتى رآه عليه السلام بحضرته (شامی: ۱۰۵/۳)

(۴) على نحو دابة اي كمحمول على أيد الناس، فلا تجوز في المختار إلا من عذر (شامی: ۱۰۵/۳) (۵) البحر: ۳۲۷/۲۔

حصہ کے سامنے کھڑا ہو جائے تب بھی نماز جائز ہے۔[1]

۱۶۴- **ضابطہ**: مسجد شرعی میں نماز جنازہ پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔[2]

تشریح: یعنی خواہ تنہا میت مسجد میں ہو اور سب نمازی باہر ہوں یا بعض نمازی یا کل نمازی میت کے ساتھ مسجد میں ہوں یا میت مسجد سے باہر ہو اور نمازی کل یا بعض مسجد کے اندر ہوں سب صورتیں مکروہ ہیں —— پھر اس کراہت میں اختلاف ہے، بعض نے مکروہ تنزیہی کہا ہے اور اس کو راجح قرار دیا ہے اور بعض نے مکروہ تحریمی کہا ہے اور یہی ارجح ہے۔

البتہ اعذار کی صورت میں مثلاً بارش ہو رہی ہو یا کرفیو لگا ہوا ہو اور باہر جمع ہونے کی اجازت نہ ہو تو مسجد میں نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے۔ اسی طرح حرمین شریفین میں بھی عذر ہے کہ وہاں لاکھوں نمازی ہوتے ہیں، اگر دوسری جگہ جنازہ پڑھا جائے گا تو لوگوں کے لئے حرم میں فرض پڑھ کر جنازہ پڑھنے کے لئے دوسری جگہ جانا مشکل ہوگا، اس لئے حرمین میں جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔

اور عیدگاہ اصح قول کے مطابق مسجد کے حکم میں نہیں، پس عیدگاہ میں جنازہ پڑھ سکتے ہیں، کوئی حرج نہیں۔[3]

۱۶۵- **ضابطہ**: ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی جائے، خواہ کتنا ہی بڑا گنہگار ہو[4]

تشریح: پس زانی، شرابی، حتی کے والدین کے قاتل اور خودکشی کرنے والے کی بھی

---

(۱) یقوم من الرجل والمرأة بحذاء الصدر لأنه موضع القلب وفيه نور الايمان فيكون القيام عنده إشارة إلى الشفاعة لايمانه، وهذا ظاهر الرواية وهو بيان الاستحباب حتى لو وقف في غيره أجزئه (البحر:۲/۳۲۷۔ ھندیہ:۱/۱۶۴)

(۲) ھندیہ:۱/۱۶۵۔ (۳) المتخذ لصلاة الجنازة والعيد الأصح أنه ليس له حكم المسجد هكذا في البحر (ھندیہ:۱/۳۸) (۴) صلوا على كل بر وفاجر...... (فقہ اکبر:۹۱)

نماز جنازہ پڑھی جائے، یہی مفتی بہ قول ہے۔

البتہ والدین کا قاتل اسلامی قاعدہ کے مطابق قصاصاً قتل کیا جائے تو اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔اسی طرح جو شخص امام المسلمین کے خلاف ناحق بغاوت کرے اور اس قصور میں مارا جائے یا مسلمانوں پر ڈاکہ زنی ولوٹ مار کرے اور مقابلہ میں مارا جائے تو اس کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، یہ تہدیداً ہے، تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔[1]

۱۶۶- **ضابطہ:** خنثیٰ (ہجڑے) میں مرد کی علامت زیادہ ہے یا عورت کی، اسی اعتبار سے حکم ہوگا۔[2]

تشریح: پس اگر مرد کی علامت زیادہ ہو، مثلاً: ڈاڑھی نکل آئی یا مرد کی پیشاب گاہ سے پیشاب کرتا ہو یا اس سے عورت کو حمل ٹھہر گیا تو وہ مرد کے حکم میں ہے، مرد اس کو نہلائیں گے؛ کفن مرد کا پہنائیں گے اور نماز جنازہ میں بالغ مرد والی دعا پڑھیں گے ـــــ اور اگر عورت کی علامات زیادہ ہوں، مثلاً حاملہ ہوگئی یا پستان ظاہر ہو گئے یا حیض آنے لگا یا عورت کی پیشاب گاہ سے پیشاب کرتی ہے تو اس کو عورت شمار کریں گے اور مذکورہ چیزوں میں عورت کے احکام جاری ہوں گے۔

اور اگر خنثیٰ مشکل ہو یعنی اس کا مؤنث ومذکر ہونا معلوم نہ ہو سکے اور کسی جانب ترجیح دینا ممکن نہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ بہت چھوٹا ہو تو اس کو عورت بھی غسل دے سکتی ہے اور مرد بھی۔ اور اگر بڑا ہو یعنی حد شہوت کو پہنچ گیا ہو تو اس کو نہ عورت غسل دے اور نہ مرد، ایسی صورت میں اگر کوئی محرم عورت یا مرد ہو تو کھلے ہاتھ اور اجنبی مرد یا عورت ہو تو ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر (بجائے غسل کے) اس کو تیمم کرادے اور نماز میں اس پر بالغ

(۱) (لایصلی علی قاتل أحد أبویه) الظاهر أن المراد أنه لایصلی علیه إذا قتله الإمام قصاصاً، أما لو مات حتف أنفه یصلی علیه کما فی البغاة ونحوهم شامی: ۱۰۹/۳)

(۲) شامی: ۹۴/۳۔

میت والی دعا پڑھی جائے، البتہ نابالغ خنثیٰ مشکل میں اختیار ہے چاہے نابالغ لڑکے والی دعا پڑھیں یا نابالغ لڑکی والی، لیکن بہتر یہ ہے کہ بالغ میت والی دعا پڑھ لی جائے۔ (۱)

۱۶۷- **ضابطہ**: نامعلوم میت میں اگر اسلام کی کوئی علامت یا قرینہ ہو تو مسلمان سمجھیں، ورنہ نہیں۔ (۲)

تشریح: اگر کوئی مردہ ملا اور معلوم نہیں کہ وہ مسلمان ہے یا کافر تو اگر اس پر کوئی علامت مسلمان ہونے کی ہے، مثلاً ختنہ ہونا، اسلامی لباس ہونا وغیرہ تو اس کو مسلمان سمجھیں گے، اور غسل دیں گے، اور اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے۔

اور اگر کوئی بھی علامت نہ ہو (نہ اسلام کی نہ کفر کی) لیکن وہ دار الاسلام میں (یا مسلمانوں کے علاقہ میں) پایا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، اور بغیر کسی علامت کے دار الحرب (یا غیر مسلموں کے علاقہ) میں ملا تو اس کو نہ غسل دیں گے اور نہ نماز پڑھیں گے۔ (۳)

۱۶۸- **ضابطہ**: مسلم اور غیر مسلم اموات کے جمع ہونے کی صورت میں جب پہچان کی کوئی صورت نہ ہو تو اکثر کا اعتبار کریں گے۔ (۴)

تشریح: یعنی اگر ان میں اکثر مسلمان ہوں تو سب کو غسل وکفن دیں گے اور سب پر نماز پڑھیں گے (لیکن نیت مسلمانوں کی کریں گے) اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے ـــــــ اور اگر اکثر کافر ہوں تو نماز کسی کی نہیں پڑھیں گے، لیکن غسل وکفن سب کو دیں گے، اور سب کو کفار کے قبرستان (یا علاحدہ کسی جگہ) میں دفن کریں گے، غسل کی وجہ یہ ہے کہ مسلم کا غسل واجب ہے اور کافر کا فی الجملہ جائز ہے، پس واجب کو حاصل کرنے کے لئے فی الجملہ جائز کا ارتکاب کریں گے ـــــــ اور اموات

(۱) مستفاد: شامی: ۹۴/۳- احسن الفتاوی: ۲۲۱/۴۔ (۲) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹۳/۳۔ (۳) لولم یدرأ مسلم أم کافر ولا علامة فإن فی دارنا غسل وصلی علیه وإلا لا (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹۳/۳) (۴) بدائع: ۳۱/۲۔

برابر ہونے کی صورت میں احتیاطا پہلی صورت پر عمل کریں گے۔

لیکن نماز کے متعلق بعض فقہا کا کہنا ہے کہ نماز ہر صورت میں یعنی خواہ مسلمان زیادہ ہوں یا کم پڑھ لینی چاہئے کیوں کہ جب مسلمانوں کی نیت سے نماز پڑھی جائے گی تو کفار پر نماز پڑھنا شمار نہ ہوگا، پس یہاں نیت سے امتیاز کیا جاسکتا ہے، برخلاف دفن وغیرہ کے، کہ اس میں اکثر کا اعتبار کریں گے اور نماز میں اس کی ضرورت نہیں، یہی قول اوجہ ہے۔ (۱)

۱۶۹- **ضابطہ:** ہر ایسی چیز جو تعمیر کی مضبوطی، یا زینت وراحت کے لئے استعمال کی جاتی ہے، اس کو بلا ضرورت قبر میں رکھنا مکروہ ہے۔ (۲)

جیسے قبر میں پکی اینٹیں، اور لوہے وغیرہ کی پلیٹیں بچھانا مکروہ ہے (کچی اینٹیں اور بانس استعمال کرنے چاہئیں) کیوں کہ یہ چیزیں عمارت کے استحکام کے لئے ہوتی ہیں اور میت کو اس کی ضرورت نہیں، کیوں کہ قبر بوسیدگی کا گھر ہے۔

اسی طرح میت کے نیچے قبر میں گدا، چٹائی، چادر وغیرہ کوئی چیز بچھانا؛ یا قبر پر پھول وغیرہ ڈالنا جائز نہیں، اس لئے کہ یہ چیزیں زینت یا راحت کے قبیل سے ہیں اور میت

---

(۱) ولو اجتمع المسلمون والكفار ينظر إن كان بالمسلمين علامة يمكن الفصل بها يفصل... إن كان المسلمون أكثر غسلوا وكفنوا ودفنوا في مقابر المسلمين وصلى عليهم، وينوي بالدعاء المسلمون، وإن كان الكفار أكثر يغسلوا ولايصلى عليهم كذا ذكر القدوري. وجهه :أن غسل المسلم واجب وغسل الكافر جائز في الجملة فيؤتي بالجائز في الجملة لتحصيل الواجب. وأما إذا كانوا على السواء فلايشكل أنهم يغسلون لما ذكرنا......الخ (بدائع :۲/۳۱) فينبغي الصلاة عليهم في الأحوال الثلاث كما قالت به الأئمة الثلاثة وهو أوجه قضاء لحق المسلمين بلا ارتكاب منهي عنه (شامی:۳/۹۴)

(۲) مراقی علی ہامش الطحطاوی:۶۱۰، الميداني على هامش الجوهرة:۱/۱۴۰۔

زنیت وغیرہ سے مستغنی ہے۔ (۱)

البتہ ضرورت کے وقت ان میں سے کوئی چیز قبر میں رکھی جائے تو جائز ہے، مثلاً میت کے اوپر لکڑی وغیرہ کا تختہ اس لئے رکھا کہ وہاں کوئی درندہ آ کر قبر کھود لیتا ہے تو اس سے حفاظت رہے گی تو کچھ کراہت نہیں ـــــ اسی طرح اگر زمین نرم اور کمزور ہو تو پکی اینٹوں اور لکڑی کی تختوں سے لحد کو بند کرنے میں بھی حرج نہیں، جیسا کہ ایسی زمین میں تابوت (صندوق) کا استعمال (بوجہ ضرورت) مکروہ نہیں ـــــ اسی طرح اگر بارش کی وجہ سے مٹی گیلی ہو یا نیچے سے پانی نکل رہا ہو تو اس وقت چٹائی وغیرہ بچھانے میں بھی مضائقہ نہیں۔ (۲)

(۱) ویکرہ القاء الحصیر فی القبر...... وکرہ وضع الآجر...... والخشب ...... لأن الکراھة لکونھما للإحکام والزینة ...... وماقیل :أنه لمس النار فلیس بصحیح (مراقی علی ہامش الطحاوی: ۶۱۰) لأنھما لإحکام البناء وھو لایلیق بالمیت لأن القبر موضع البلا. (المیدانی علی ھامش الجوھرة: ۱/۱۴۰)

(۲) وقال الإمام التمرتاشی: ھذا إذاکان حول المیت فلوفوقه لایکرہ لأنه یکون عصمة من السبع، وقال مشائخ بخاری: لایکرہ الآجر فی بلدتنا للحاجة إلیه لضعف الأراضی (شامی: ۳/۱۴۲، حاشیۃ الطحاوی: ۶۱۰) ولاباس باخذ تابوت ولو من حجر أو حدید له عند الحاجة کرخاوة الأرض (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۱۴۰)

کتاب الزکوٰۃ

دین اور مال ضمار:

۱۷۰- **ضابطہ**: ہر وہ دین (قرض) جس کا مطالبہ بندوں کی جانب سے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، وہ وجوب زکوٰۃ میں مانع نہیں۔ (۱)

جیسے نذریں، کفارات، صدقۂ فطر، گذشتہ کی زکوٰۃ، حج وغیرہ ذمہ میں باقی ہوں تو یہ وجوب زکوٰۃ کے لئے مانع نہیں، پس ان دیون کو مال میں سے وضع نہیں کریں گے، یعنی اگر صاحب نصاب ہو تو پورے مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۱۷۱- **ضابطہ**: ہر وہ دین جو کسی مال کا بدل نہیں اگر وہ تاخیر سے وصول ہو تو اس میں قبل القبض گذشتہ کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ (۲)

جیسے نکاح کا مہر، خلع کا بدل، وصیت اور میراث کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال اگر تاخیر سے وصول ہو تو گذرے ہوئے ایام کی زکوٰۃ واجب نہیں، یہی مفتی بہ ہے، کیوں کہ یہ اموال کسی مال کے بدل میں نہیں ہیں، پس یہ دین ضعیف ہیں۔ (۳)

---

(۱) وکل دین لامطالبة من جهة العباد كد يون الله تعالى من النذور والكفارات وصدقة الفطر ووجوب الحج لايمنع (ہندیہ: ۱/۱۷۳) (۲) البحر: ۲/۳۶۳۔

(۳) ضعيف وهو كل دين ملكه بغير فعله لابدلا عن شيء نحو الميراث أو بفعله لابدلا عن شيء كا لوصية أو بفعله بدلا عما ليس بما ل كالمهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد .. لازكاة فيه حتى يقبض نصابا ويحول عليه الحول (ہندیہ: ۱/۱۷۵، البحر: ۲/۳۶۳)

نصاب کی کمی بیشی:

۱۷۲- **ضابطہ**: درمیان سال میں نصاب کی کمی بیشی سے (اصل زکوٰۃ کے وجوب وعدم وجوب میں) کوئی فرق نہیں آتا۔ (۱)

تشریح: یعنی اگر درمیان سال میں نصاب کم ہوگیا اور آخر سال میں پورا ہوگیا تو کوئی فرق نہیں آئے گا زکوٰۃ واجب رہے گی (شرط یہ ہے کہ پورا نصاب بالکلیہ ختم نہ ہوا ہو، ورنہ زکوٰۃ واجب نہیں) ـــــ اسی طرح اگر درمیان سال میں مال کا اضافہ ہوا تو اصل مال کے ساتھ اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی (اور اس اضافہ شدہ مال میں سال کا گزرنا ضروری نہیں)

زکوٰۃ کس مال میں واجب ہے؟

۱۷۳- **ضابطہ**: صنعتی آلات میں جو آلات کام کرنے کے بعد بعینہٖ باقی رہتے ہیں یا بالکلیہ ختم ہوجاتے ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں اور جن آلات کا صرف اثر باقی رہتا ہے ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ (۲)

جیسے مشینیں، بڑھئی کا بسولہ، سوہان (ریتی) وغیرہ..ان میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیوں کہ یہ چیزیں کام کے بعد بعینہٖ باقی رہتی ہیں۔ اسی طرح دھوبی کے لئے صابن اور اشنان (نہ کہ دکان دار کے لئے) اس میں بھی زکوٰۃ نہ آئے گی، کیوں کہ یہ چیز استعمال ہوجانے کے بعد بالکلیہ ختم ہوجاتی ہے، حتی کہ کپڑوں میں اس کا اثر بھی باقی نہیں رہتا۔

اور رنگریز کے پاس رنگ جو محفوظ رہتا ہے اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، کیوں کہ یہ ایسا آلہ ہے جو استعمال کے بعد نہ تو بعینہٖ باقی رہتا ہے اور نہ بالکل معدوم ہوتا ہے، بلکہ صرف اس کا اثر (رنگنے کے بعد کپڑوں میں) باقی رہتا ہے، پس اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ رنگنے میں ''اجرت'' عین (رنگ) کی لی جاتی ہے، گویا یہ رنگ

(۱) ہندیہ: ۱/۱۷۵۔ (۲) شامی: ۳/۱۸۳۔

تجارت کا ہوگیا، بخلاف پہلی دو صورتوں کے، کہ ان میں ''اجرت'' صرف عمل (یعنی محنت) کی لی جاتی ہے، کیوں کہ بڑھئی تو اپنا سامان: بسولہ وغیرہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے، اجرت صرف محنت کی لیتا ہے، اسی طرح دھوبی بھی مالک سے اجرت اپنے عمل کی لیتا ہے (اور جو صابن وہ استعمال کرتا ہے وہ تو معدوم ہوجاتا ہے) پس ان دونوں کے یہ آلات تجارت کے نہیں۔ (اسی پر تمام صنعتی آلات کو قیاس کرنا چاہئے)(۱)

۱۷۴- **ضابطہ**: ایک ہی جنس کی مختلف اشیاء کو تکمیل نصاب کے لئے ملایا جائے گا، مختلف الاجناس کو نہیں۔(۲)

تشریح: اس ضابطہ کی تفصیل یہ ہے کہ قابل زکوۃ اموال کی کل چار اجناس ہیں: (۱) سونا چاندی، کرنسی، اموال تجارت (یہ سب ایک جنس ہیں) ـــــ (۲) اونٹ ـــــ (۳) بھیڑ، بکری (یہ دونوں ایک جنس ہیں) ـــــ (۴) گائے، بھینس (یہ دونوں ایک جنس ہیں) ان چاروں اجناس کا نصاب علاحدہ علاحدہ اور مستقل ہے ایک کو دوسرے کے ساتھ تکمیل نصاب کے لئے نہیں ملایا جائے گا۔ البتہ ایک ہی جنس کی مختلف اشیاء کو (جیسے سونا، چاندی، کرنسی اور اموال تجارت کو ایک دوسرے کے ساتھ یا بھیڑ کو بکری کے ساتھ یا گائے کو بھینس کے ساتھ) تکمیل نصاب کے لئے ملایا جائے گا۔(۳)

---

(۱) وكذالك آلات المحترفين، أي سواء كانت مما لاتستهلك عينه في الانتفاع كالقدوم والمبرد أو تستهلك، لكن هذا منه مالايبقى أثرعينه كصابون وجرض الغسال ومنه مايبقى كعصفر وزعفران لصباغ ودهن وعفص لدباغ فلازكاة في الأولين، لأن مايأخذه من الاجرة بمقابلة العمل، وفي الأخير الزكاة إذا حال عليه الحول لأن الماخوذ بمقابلة العين كما في الفتح (شامی: ۱۸۳/۳) وضابطه ان مايبقى أثره في العين فهو مال التجارة ،ومالا يبقى أثره فيها فليس منه كصابون الغسال. (البحر: ۳۶۸/۲) (۲) ھندیہ: ۱۷۵/۱۔

(۳) مستفاد تحفۃ الالمعی: ۵۱۷/۳-۵۱۸۔

تفریع: پس اگر کسی کے پاس مثلاً دو تولہ سونا، دس تولہ چاندی اور کچھ مال تجارت اور کچھ نقد روپے ہیں اور مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (۱)

۱۷۵- **ضابطہ**: سونے چاندی میں زکوۃ مطلقاً واجب ہے۔ (۲)

تشریح: سونا چاندی خواہ زیورات کی شکل میں ہوں؛ یا برتن کی صورت میں؛ یا اس کے علاوہ کوئی اور ہیئت میں؛ اور خواہ ان کو استعمال کرے یا نہ کرے؛ اور خواہ اس میں تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو؛ زکوۃ ہر صورت میں واجب ہوگی۔

۱۷۶- **ضابطہ**: سونے، چاندی، کرنسی اور سائمہ جانوروں کے علاوہ ہر مال واسباب میں زکوۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس میں تجارت کی نیت ہو، ورنہ واجب نہیں ہوتی، خواہ وہ مال کتنا ہی ہو۔ (۳)

جیسے اگر کسی کے پاس پہننے کے لئے کپڑے ہیں (اگرچہ پانچ سو جوڑے ہوں) یا گھر میں مختلف قسم کا گھریلو سامان ہے (جن میں سے بعض کی تو خاص ضرورت بھی نہیں) یا کئی مکانات ہیں، یا زمینیں ہیں، یا فیکٹری ہے، اور ان سب میں تجارت کی نیت نہیں (یعنی بیچنے کے لئے ان چیزوں کو نہیں خریدا) یا اس کے پاس بہت سی گاڑیاں ہیں جو کرایہ پر دے رکھی ہیں اور کچھ گاڑیاں خود ذاتی استعمال کے لئے ہیں تو ان تمام میں زکوۃ نہیں آئے گی۔

لیکن اگر خریدتے وقت تجارت کی نیت ہو، جیسے کسی نے مکان، زمین، یا گاڑی اس نیت سے خریدی کہ اس میں اصلاح ومرمت کرکے یا کچھ مدت کے بعد جب قیمتیں بڑھ جائیں گی بیچ دوں گا اور نفع کماؤں گا تو اس پر سال کے اخیر میں زکوۃ واجب ہوگی، دوسرے مال کے ساتھ اس کی بھی زکوۃ ادا کرے۔

---

(۱) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲۳۴/۳۔ (۲) فتجب زکاتهما کیف کانا (المیدانی علی هامش الجوهرة: ۱۵۸/۱) (۳) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱۹۳/۳۔

زکوٰۃ کی ادائیگی

۱۷۷-**ضابطہ**: زکوٰۃ کی ادائیگی کی ہر وہ صورت جس میں مال کی تملیک نہ ہو (یعنی فقیر کو مالک نہ بنایا جائے) اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (۱)

جیسے:

(۱) کسی فقیر کو اپنے پاس بٹھا کر زکوٰۃ کی نیت سے کھانا کھلایا؛ یا اپنی سواری میں سوار کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (لیکن اگر کھانا فقیر کے قبضے میں دے دیا کہ وہ اس کا جو چاہے کرے، یا کپڑا پہنایا اور اس کو اس کا مالک بنا دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی) (۲)

(۲) زکوٰۃ کسی عمارت میں مثلاً مسجد، مدرسہ یا شفاخانہ کی تعمیر میں یا رفاہی کاموں میں خرچ کی تو وہ ادا نہ ہوگی، کیوں کہ اس میں تملیک نہیں ہوتی (لیکن اگر وہ زکوٰۃ کسی فقیر کو دیدی جائے اور وہ فقیر اپنی طرف سے مسجد یا مدرسہ کی تعمیر کرائے تو درست ہے) (۳)

(۳) چھوٹا ناسمجھ بچہ یا مجنون کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیوں کہ ان کا قبضہ صحیح نہیں، پس تملیک نہیں پائی گئی، لیکن اگر ان کی طرف سے ان کا وصی یا ماں باپ یا وہ شخص جو ان کی کفالت کرتا ہو (خواہ رشتہ دار ہو یا اجنبی) قبضہ کرے تو اب قبضہ صحیح ہوگا اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (البتہ سمجھ دار بچہ یا کم عقل (نیم پاگل) فقیر کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، کیوں کہ ان کا قبضہ صحیح ہے) (۴)

(۱) قواعد الفقہ: ۸۵۔ (۲) بدائع: ۱۸۹/۲۔ (۳) یہ ایک حیلہ ہے اور حیلہ اس وقت حیلہ ہوتا ہے جب فقیر کو واقعی مالک بنایا جائے، ورنہ وہ حیلہ نہیں محض ڈھونگ ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ سعید احمد وحیلة التكفين بها التصدق على الفقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱۹۱/۳)

(۴) ولم يشترط البلوغ والعقل لأنهما ليس بشرط لأن تمليك الصبي صحيح لكن إن لم يكن عاقلا فإنه يقبض عنه وصيه أو أبوه أو من يعوله قريبا أو ←

استدراک: لیکن اگر فقیر کے قرض کو زکوٰۃ کی نیت سے معاف کر دیا تو باوجودیکہ اس میں مال کی تملیک ہے مگر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیوں کہ یہ تملیک بوقت قبضہ نہیں (اس مسئلہ کی ایک جائز صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ اس فقیر کو دے، پھر وہی رقم قرض میں اس سے وصول کرلے تو جائز ہے)[1]

نوٹ: عبادات مالیہ سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

صدقۃ الفطر کا بیان

۱۷۸- **ضابطہ**: ہر وہ شخص جس پر زکوٰۃ واجب ہے اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے، مگر اس کا برعکس نہیں۔[2]

تشریح: پس جس کے پاس حاجت سے زائد (بقدر نصاب) مال واسباب یا زمین ومکان وغیرہ ہیں، لیکن وہ تجارت کے لئے نہیں ہیں تو اس پر صدقۃ الفطر تو واجب ہوگا، مگر زکوۃ واجب نہ ہوگی، کیوں کہ زکوۃ میں مال نامی کی شرط ہے، صدقۃ الفطر اور قربانی میں یہ شرط نہیں، اس میں "مال غیر نامی" کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔

۱۷۹- **ضابطہ**: جو مصرف زکوۃ کا ہے وہی صدقۃ الفطر کا ہے۔[3]

← أجنبيا أو الملتقط وإن كان عاقلا القبض من ذكر وكذا بنفسه...... والدفع إلى المعتوه يجزئ. وحكم المجنون المطبق معلوم من حكم الصبي الذي لا يعقل (البحر: ۲/۳۵۳)

(۱) رجل له خمسة دراهم على فقير فتصدق بها عليه ونوى به زكاة المائتين التي عنده لا يجوز، والحيلة في الجواز أن يتصدق عينه بخمسة دراهم عينا ونوى به زكاة المائتين ثم يأخذها منه قضاء عن دينه فيجوز له ذالك (تاتارخانیہ: ۲/۲۶۵)

(۲) مستفاد الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۳۱۳-۳۱۴۔

(۳) وصدقة الفطر كالزكاة في المصارف (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۳۲۵)

استدراک: البتہ ذمی کافر کو صدقۃ الفطر دینے میں اختلاف ہے، طرفین (امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک جائز ہے، لیکن مکروہ ہے اور مسلمان فقیر کو دینا اولیٰ ہے اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں، فتویٰ امام ابویوسفؒ کے قول پر ہے۔[1]

۱۸۰- **ضابطہ:** صدقۃ الفطر کی ادائیگی میں بھی نیت اور تملیک ضروری ہے جیسا کہ زکوٰۃ میں ہے (محض اباحت کافی نہیں)[2]

---

(۱) إلا في جواز الدفع إلى الذمي في الخانية: جاز ويكره، وعند الشافعي واحدى الروايتين عن أبي يوسف: لايجوز تاتارخانية، وقدم عن الحاوي أن الفتوى على قول أبي يوسف (شامی:۳/۳۲۵)

(۲) واشتراط التمليك فلا تكفي الاباحة (شامی:۳/۳۲۵، البحر:۲/۴۳۹)

ع سريره حتى رآه عليه السلام بحضرته (شامی:۳/۱۰۵)

کتاب الصوم

۱۸۱-ضابطہ: عورت کے لئے وہ روزہ جس کے وجوب یا ثبوت میں خود اس کا دخل ہو، شوہر کی اجازت کے بغیر رکھنا جائز نہیں۔ [۱]

جیسے نفل روزہ، قسم کا روزہ، نذر کا روزہ شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، یعنی ان روزوں کے لئے شوہر کو منع کرنے کا حق ہے، کیوں کہ عورت کے ساتھ اس کا حق متعلق ہے۔ پس اگر رکھ لیا ہے تو خاوند کے حق کی وجہ سے افطار کرنا جائز ہے، پھر بعد میں اس کی اجازت پر یا اس سے جدائی پر قضا واجب ہے۔ [۲]

مگر رمضان کا ادا یا قضا روزہ اجازت پر موقوف نہیں، کیوں کہ یہ شریعت کی جانب سے ہیں، عورت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

مفسدات صوم کا بیان

۱۸۲-ضابطہ: کوئی چیز پیٹ یا دماغ میں منفذ اصلی (اصلی سوراخ) سے پہنچے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، مسامات کی راہ سے پہنچنے میں روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ [۳]

(۱) للزوج أن یمنع زوجته عن کل ما کان الایجاب من جهتها کالتطوع والنذر والیمین دون ما کان من جهته تعالی کقضاء رمضان ...... الخ (شامی: ۳/۴۱۵)

(۲) والظاهر أن لها الافطار بعد الشروع رفعا للمعصیة فهو عذر (شامی: ۳/۴۱۵)

(۳) (تحفۃ الالمعی: ۳/۱۰۰) ومایدخل من مسام البدن من الدهن لایفطر (هندیہ: ۱/۲۰۳)

تفریعات:

(۱) پس اگر آنکھ میں دوا ڈالی، یا سرمہ لگایا تو روزہ فاسد نہ ہوگا اگر چہ اس سرمہ یا دوا کا اثر تھوک یا ناک میں محسوس ہو، کیوں کہ یہاں نہ منھ کی طرف سوراخ ہے اور نہ دماغ کی طرف اور جو اثر حلق میں محسوس ہوتا ہے وہ مسامات سے پہنچتا ہے۔ (۱)

(۲) اسی طرح انجکشن سے روزہ فاسد نہ ہوگا خواہ انجکشن رگ میں لگایا جائے یا گوشت میں، کیوں کہ وہ دوا معدہ تک نہیں پہنچتی اور اگر پہنچے بھی تو وہ منفذ اصلی سے نہیں پہنچتی، اس لئے فساد کی کوئی وجہ نہیں۔ (۲)

(۳) لیکن اگر کان یا ناک میں دوا ڈالی یا تیل ڈالا؛ یا ناک میں پانی ڈال کر کھینچا اور حلق تک پہنچ گیا؛ یا حقنہ لگایا (یعنی پاخانہ کے راستہ سے دوا چڑھائی)؛ یا عورت نے پیشاب کی جگہ میں دوا رکھی یا تیل ڈالا تو ان تمام صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا، کیوں کہ یہ چیزیں منفذ اصلی سے پیٹ میں گئی ہیں (کیوں کہ ناک، کان، پاخانہ کی جگہ اور عورت کی شرمگاہ (نہ کہ مرد کی) دماغ یا پیٹ کے لئے منفذ اصلی ہیں) (۳)

استدراک: لیکن اگر کان میں پانی خود بخود چلا گیا تو وہ مفسد نہیں، کیوں کہ اس میں حرج ہے (ہاں قصداً پانی ڈالا تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور دوا سے تو بہر صورت فاسد ہو جائے گا) (۴)

---

(۱) أو اکتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه (درمختار) وکذا لو بزق فوجد لونه في الأصح (شامی: ۳۶۶/۳) (۲) نظام الفتاوی: ۱۳۳، احسن الفتاوی: ۴۳۲/۴، امداد الفتاوی: ۱۴۵/۲۔ (۳) لایفسد صوم من أقطر الماء أم الدهن في مخرج بوله، ولو وصل إلی المثانة، أما لو أقطرت في قبلها فسدت بالاتفاق (شرح التنویر: ۳۶۱/۳، حاشية الطحطاوی: ۶۷۲)

(۴) والحاصل الاتفاق علی الفطر بصب الدهن وعلی عدمه بدخول الماء، واختلف التصحیح في ادخاله (شامی ۳۶۷/۳، بحر الرائق: ۴۸۷/۲)

فائدہ: بواسیر کے مسّوں پر دوا لگائی تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ مسے موضع حقنہ تک نہیں پہنچتے۔

البتہ کانچ (سیدھی آنت) کو (پانی وغیرہ سے) تر کر کے چڑھایا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ وہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے (پس اگر کسی روزے دار کو استنجا میں کانچ نکلے تو اسے چاہئے کہ کپڑے وغیرہ سے جب تک پونچھ نہ ڈالے کھڑا نہ ہو، ورنہ گیلی کانچ اندر جانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا)[1]

۱۸۳- ضابطہ: کسی چیز کا محض اثر پیٹ یا دماغ میں جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے اجزاء نہ پہنچیں۔[2]

تشریح: پس عطر، لوبان، ویکس بام اور ہومیو پیتھک کی بعض دوائیں (جو محض سونگھنے کے لئے ہوتی ہیں اور ان میں اتنی حدت اور تیزی ہوتی ہے کہ اس کا اثر دماغ تک پہنچ جاتا ہے) وغیرہ کے سونگھنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔[3]

اور سانس کے مریض جو پمپ استعمال کرتے ہیں اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، کیوں کہ اس میں دوا کے اجزاء جاتے ہیں، جیسا کہ بیڑی، سگریٹ پینے سے اسی طرح اگر بتی اور لوبان وغیرہ کا دھواں قصداً سونگھنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، یعنی روزہ یاد ہوتے ہوئے جان بوجھ کر اس دھوئیں کو منہ میں لے اور نگل جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔[4]

۱۸۴- ضابطہ: جن چیزوں سے بچنے میں حرج ہے ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا[5]

---

(۱) مستفاد: احسن الفتاویٰ: ۴/۴۴۰، امداد الفتاویٰ: ۲/۱۵۰ حاشیہ۔

(۲) مستفاد شامی: ۳/۳۶۷۔ (۳) وفي القهستاني: طعم الأدوية وريح العطر إذا وجد في حلقه لم يفطر كما في المحيط (شامی: ۳/۳۶۷، محمودیہ: ۱۰/۱۵۵)

(۴) لو تبخر بخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه افطر لامكان التحرز عنه (شامی: ۳/۳۶۶) (۵) ولو دخل حلقه غبار الطاحونة أو طعم الأدوية أو غبار الهرس ...... لم يفطره (ہندیہ: ۱/۲۰۳)

جیسے مکھی، غبار، دھواں، آنسوں یا پسینے کے ایک دوقطریں اور کارخانہ میں کام کرنے والے کے لئے مصالحہ ودوائیں وغیرہ کے بلاقصد حلق میں داخل ہونے سے روزہ فاسد نہ ہوگا، کیوں کہ ان سے بچنا مشکل ہے۔

لیکن اگر بارش کا قطرہ حلق میں چلا گیا یا کلی کرتے وقت پانی حلق میں چلا گیا یا آنسوں وپسینے کے قطرے اتنی زیادہ مقدار میں تھے کہ سارے منہ میں اس کی نمکییت کا احساس ہونے لگا اور پھر جمع کر کے ان سب کو نگل گیا تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، خواہ قصداً ہو یا بلاقصد کیوں کہ ان سے بچنا ممکن ہے۔[1]

ضابطہ-١٨٥: ہر وہ شخص جس کا رمضان میں روزہ نہ ہو لیکن روزہ کی اہلیت موجود ہو (اور فی الحال کوئی عذر بھی نہ ہو) اس کو رمضان کے احترام میں روزہ داروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ضروری ہے۔[2]

جیسے مسافر جب اپنے گھر آ گیا یا کسی جگہ دن میں اقامت کی نیت کر لی؛ یا مریض دن میں تندرست ہو گیا؛ یا وہ شخص جس کا روزہ ٹوٹ گیا یا قصداً توڑ دیا؛ یا نابالغ دن میں بالغ ہوا؛ یا کافر مسلمان ہوا؛ یا حیض یا نفاس والی عورت دن میں پاک ہو گئی؛ یا جس شخص نے تیس شعبان کو کھا پی لیا پھر ظاہر ہوا کہ آج رمضان ہے؛ ان تمام لوگوں پر روزے داروں کے ساتھ مشابہت یعنی غروب تک کھانے پینے وغیرہ سے رکا رہنا واجب ہے۔[3]

---

(١) لو وصل لحلقه دموعه ..او مطر أو ثلج فسد صومه لتيسير طبق الفم وفتحه أحيانا مع الاحتراز عن الدخول وإن ابتلعه متعمدا لزمته الكفارة (بحر الرائق: ٢/ ٢٧٦، فتح القدير: ٢/ ٣٣٧) الدموع إذا دخلت فم الصائم إن كان قليلا كالقطرة والقطرتين او نحوهما لايفسد صومه وإن كان كثيرا حتى وجد ملوحته في جميع فمه واجتمع شيء كثير فابتلعه يفسد صومه وكذا عرق الوجه (ہندیہ: ١/ ٢٠٣)

(٢) اللباب فی شرح الکتاب: ١٦١-١٦٢۔ (٣) اللباب فی شرح الکتاب: ١٦١-١٦٢۔

فائدہ: لیکن وہ عورت جس کو حیض یا نفاس جاری ہوا اس کے لئے (بوجہ اہلیت نہ ہونے کے) مشابہت لازم نہیں، بلکہ ایسی عورت کے لئے تو مشابہت اختیار کرنا حرام ہے، اس لئے کہ اس پر روزہ حرام ہے اور تشبہ بالحرام بھی حرام ہے (مشابہت اس عورت کے لئے ہے جو حیض یا نفاس میں تھی اور رمضان میں دن میں پاک ہوئی، تو باقی پورا دن روزے داروں کی طرح گذارے) —— اس مسئلے میں بہت سی عورتیں غفلت میں ہیں، کہ حیض کی حالت میں کھانا پینا گناہ سمجھتی ہیں، اور نہ کھانے کو ثواب؛ حالاں کہ اس خیال سے کھانے پینے سے باز رہنا حرام ہے۔ ہاں البتہ روزہ داروں کے سامنے کھانا پینا مناسب نہیں۔ (۱)

نوٹ: مفسدات صوم سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

(۱) اما فی حالة تحقق الحیض والنفاس فیحرم الامساك لأن الصوم منهما حرام والتشبه بالحرام حرام...... ولكن لا یاكلون جهراً بل سراً (حاشیة الطحطاوی: ۶۷۸)

كتاب الحج

وجوب حج کا بیان

۱۸۶- **ضابطہ:** حج کی فرضیت میں علاقے کے حجاج کی درخواست دینے کا وقت معتبر ہے۔[۱]

تفریع: پس اگر کسی کے پاس زادو راحلہ موجود تھا لیکن حج کی درخواست کا وقت آنے سے پہلے وہ ہلاک ہوگیا یا کسی ضرورت میں استعمال کرلیا تو اس پر حج فرض نہیں ہوا۔[۲]

۱۸۷- **ضابطہ:** سونے چاندی اور روپے پیسے میں (نفقہ کے سوا) ضرورت کا اعتبار نہیں۔[۳]

تفریع: پس اگر کسی نے اپنی اولاد کی شادی کے لئے؛ یا گھر بنانے کے لئے؛ یا کسی اور ضرورت کے لئے رقم جمع کر رکھی ہو تو اگر (حج کے موسم میں) اتنی رقم جمع ہو کہ حج کر سکے (یا اس قدر سونا، چاندی ہو) تو اس پر حج فرض ہو گیا۔[۴]

(۱) والعبرة لوجوبها......وقت خروج أهل بلدها (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/ ۴۶۲) (۲) رحیمیہ: ۳/ ۱۱۸۔ (۳) مستفاد شامی: ۳/ ۴۶۱، ھندیہ: ۱/ ۲۱۷۔

(۴) وإن لم يكن له مسكن ولا شيء من ذالك وعنده دارهم تبلغ به الحج أو تبلغ ثمن مسكن وخادم وطعام وقوت وجب عليه الحج وإن جعلها في غيره أثم، لكن هذا إذا كان وقت خروج أهل بلده كما صرح به في اللباب. أما قبله فيشتري ←

۱۸۸- **ضابطہ**: ہر آزاد بالغ شخص جو ایام حج میں مکہ میں ہو (اگر اس نے حج نہیں کیا) تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ [۱]

تفریع: پس اگر کسی نے فقر (غربت) کی حالت میں حج کیا پھر مالدار ہو گیا تو اس پر اب دوبارہ حج فرض نہیں، کیوں کہ اس کا پہلا حج فرض ہی تھا۔ [۲]

برخلاف نابالغ کے کیوں کہ وہ غیر مکلف ہے اور برخلاف غلام کے کیوں کہ وہ آقا کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے، پس ان دونوں پر حج فرض نہیں، اور اگر نابالغی میں یا غلامی کے زمانہ میں حج کر لیا تو وہ فرض کی طرف سے کافی نہ ہوگا، بلکہ بلوغ اور آزادی کے بعد اگر استطاعت ہو تو ان پر دوبارہ حج لازم ہوگا۔ [۳]

احرام کا بیان

۱۸۹- **ضابطہ**: آفاقی کے لئے میقات سے احرام باندھنا ہر حال میں ضروری ہے، خواہ کسی غرض سے حرم میں جانا ہو۔ [۴]

تشریح: یعنی خواہ حج کا قصد ہو یا عمرہ کا؛ تجارت کی نیت ہو یا سیر و تفریح کی، میقات سے احرام باندھنا بہر صورت لازم ہے۔

البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر حج یا عمرہ کے علاوہ کوئی اور غرض ہو تو احرام باندھنا ضروری نہیں ـــــ کاروباری اور ٹیکسی چلانے والوں کیلئے امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کی گنجائش ہے۔ مگر عام لوگوں کے لئے جن کو یہ مجبوری نہیں اپنے مسلک پر عمل کرنا

به ماشاء لأنه قبل الوجوب (شامی:۳/۴۶۱، ہندیہ:۱/۲۱۷)

(۱) فتح القدیر:۲/۳۲۵۔ (۲) ہندیہ:۱/۲۱۷۔

(۳) أيما عبد حج عشر حجج ثم أعتق فعليه حجة الاسلام، وأيما صبی حج عشر حجج ثم بلغ فعليه حجة الاسلام (ہدایہ علی ہامش فتح القدیر:۲/۳۲۵)

(۴) الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۳/۴۸۲۔

لازم ہے۔ [1]

۱۹۰-ضابطہ: ہر ذکر سے احرام شروع ہو جاتا ہے۔ [2]

تشریح: پس احرام باندھنے کی نیت سے سبحان اللہ، الحمد للہ وغیرہ کہا تو احرام شروع ہو گیا (اس میں اس شخص کے لئے وسعت ہے جو تلبیہ نہیں سیکھ سکا) ـــــ البتہ تلبیہ یاد ہو تو اس کو پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

ممنوعات احرام اور ان کے ارتکاب کا حکم

۱۹۱-ضابطہ: احرام میں جنایات کے ارتکاب سے جزاء مطلقاً لازم آتی ہے، یعنی خواہ جان کر ارتکاب کرے یا بھول کر؛ مسئلہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو؛ سوتے میں کرے یا جاگتے میں؛ خود کرے یا دوسرے کے ذریعہ کرائے؛ جزا ہر صورت میں لازم آئے گی۔ [3]

فائدہ: ایسی جنایات جن سے جزا لازم آتی ہیں کل سات ہیں: (۱) سلا ہوا کپڑا پہننا ـــــ (۲) سر اور چہرے کا ڈھانکنا ـــــ (۳) خوشبو استعمال کرنا ـــــ (۴) بدن کے بال دور کرنا ـــــ (۵) ناخن تراشنا ـــــ (۶) جماع یا دواعی جماع کرنا ـــــ (۷) وحشی جانور کا شکار کرنا۔

۱۹۲-ضابطہ: ہر وہ کپڑا جو بدن کی ساخت پر سیا گیا ہو یا بنا گیا ہو محرم اس کو نہیں پہن سکتا۔ [4]

جیسے قمیص، جبہ، شلوار، پاجامہ، پتلون، بنیان، چڈی، نیکر، جانگیہ وغیرہ ان کا پہننا محرم کے لئے جائز نہیں۔

اور جو کپڑا بدن کی ساخت پر نہیں سیا گیا، جیسے لنگی (کہ وہ بدن کی ساخت پر نہیں سی

(۱) تحفۃ الالمعی: ۲۲۷/۳-۲۲۸ـ (۲) ہندیہ: ۲۲۲/۱ـ (۳) ثم لافرق فی وجوب الجزاء بین ما إذا جنی عامداً أو خاطئاً، مبتدئاً أو عائداً، ذاکراً أو ناسیاً، عالماً أو جاهلاً، طائعاً أو مکرهاً، نائماً أو منتبهاً (شامی: ۵۷۲/۳) (۴) شامی: ۴۹۹/۳۔

جاتی بلکہ اس کے دو کنارے ملا کری دیتے ہیں) تو محرم اس کو پہن سکتا ہے۔[۱]

۱۹۳- **ضابطہ**: جن اعضاء کا ڈھانکنا ممنوع ہے ان میں ہر وہ ڈھانکنا ناجائز ہے جو (لوگوں کے نزدیک) بحیثیت لباس کے ہو، اور جو ایسا نہ ہو وہ جائز ہے۔[۲]

تفریعات:

(۱) پس احرام میں چھتری وغیرہ سے سایہ حاصل کرے یا منھ پر ہاتھ رکھے تو کوئی حرج نہیں جائز ہے۔[۳]

(۲) اسی طرح سوتے وقت پیروں اور ہاتھوں کو چادر سے ڈھانکے تو حرج نہیں، اس لئے کہ یہ ڈھانکنا بحیثیت لباس کے نہیں ہے، کیوں کہ پیروں میں بحیثیت لباس موزے پہنے جاتے ہیں نہ کہ چادر وغیرہ۔ (برخلاف سر اور چہرہ کے، کہ عادت ان کو چادر سے ڈھانکنے کی ہے، پس ان میں اجازت نہیں)[۴]

۱۹۴- **ضابطہ**: جو بال جو عادتاً کاٹے جاتے ہیں ان کو احرام میں کاٹنے سے دم واجب ہوتا ہے اور جو بال عادتاً نہیں کاٹے جاتے ان میں صدقہ واجب ہوتا ہے۔[۵]

جیسے سر، گردن، بغل اور زیر ناف کے بال (چوتھائی عضو سے زائد) کاٹنے یا اکھاڑنے میں دم واجب ہوگا۔

اور سینہ، پنڈلی، پیٹھ، ہاتھ وغیرہ کے بالوں کے کاٹنے میں صدقہ واجب ہوگا (اگرچہ پورے عضو کے بال کاٹ لے)[۶]

---

(۱) امداد الفتاوی: ۱۶۴/۲، تحفۃ الالمعی: ۲۲۹/۳۔ (۲) لو حمل المحرم علی رأسه شيئا يلبسه الناس يكون لابسا وإن كان لايلبسه الناس كالاجانة ونحوها فلا (شامی: ۴۹۸/۳) (۳) ولا بأس بأن يستظل بالبيت والمحمل (ہندیہ: ۲۲۴/۱)

(۴) معلم الحجاج: ۲۷۷۔ (۵) ثم الأصل بعد هذا انه متى حلق عضوا مقصودا بالحلق من بدنه قبل أوان التحلل فعليه دم، وإن حلق ماليس بمقصود فعليه صدقة (تاتارخانیہ: ۵۰۱/۲، شامی: ۵۸۰/۳) (۶) ومما ليس بمقصود: حلق ←

فائدہ: اگر دو تین بال کاٹے تو ہر بال کے بدلہ میں ایک لپ گیہوں صدقہ کرنا کافی ہے۔[۱]

۱۹۵- **ضابطہ**: جو جانور پیدائشی لوگوں سے مانوس نہ ہو اور تنہائی اختیار کرتا ہو وہ وحشی ہے (خواہ اس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو) اور جو جانور ایسا نہ ہو وہ وحشی نہیں۔[۲]

تشریح: پس ہرن، ہاتھی، بندر، شیر، بھیڑیا، خرگوش، کبوتر، بطخ، طوطا وغیرہ سب وحشی ہیں (اگرچہ ان کو کسی طرح مانوس کرلیا ہو) پس یہ شکار میں داخل ہیں، احرام کی حالت میں یا حرم میں ان کا شکار کرنے سے یا رہنمائی کرنے سے جزا لازم ہوگی۔[۳]

اور بکری، اونٹ، گائے، بھینس، مرغا، کتا، بلی وغیرہ یہ جانور وحشی نہیں ہیں، ان کو مارنے سے کوئی جزا لازم نہ ہوگی (اسی طرح دریائی جانور کے شکار میں بھی کوئی حرج نہیں، خواہ ماکول ہو یا غیر ماکول ہو اور اگرچہ حدود حرم کے اندر ہو)[۴]

فائدہ (۱): سات موذی جانور شکار ہونے سے مستثنیٰ ہیں، کیوں کہ شارع علیہ السلام نے حل وحرم اور احرام وغیر احرام میں ان کو مارنے کی اجازت دی ہے۔ وہ جانور

← شعر الصدر والساق ، ومما ليس بمقصود :حلق الرأس والابطين ...... الخ (تاتارخانیہ:۲/۵۰۱، شامی:۳/۵۸۰)

(۱) وإن نتف من رأسه أو انفه أو لحيته ثلاث شعرات ففي كل شعر كف من طعام (غنیۃ الناسک:۲۵۶) (۲) وحقيقة الصيد حيوان ممتنع متوحش بأصل الخلقة ......الخ (البحر الرائق:۳/۴۶) (۳) البحر الرائق:۳/۴۶۔ (۴) فلا يحرم على المحرم ذبح الإبل والبقر والغنم لأنها ليست بصيد لعدم الامتناع وعدم التوحش من الناس......أما صيد البحر فيحل اصطياده للحلال والمحرم جميعا ماكولا أو غير ماكول......الخ (بدائع الصنائع:۲/۴۲۷) وخرج الكلب و لو وحشيا لأنه أهلي في الأصل، وكذا السنور الأهلي ......الخ (شامی:۳/۵۹۷)

یہ ہیں: کوا، چیل، بھیڑیا، سانپ، بچھو، چوہا اور کٹ کھنا کتا۔

پھر فقہاء کرام نے ان سات جانوروں پر قیاس کر کے حشرات الارض (جو موذی جانوروں میں سے ہیں) کا بھی یہی حکم بیان کیا ہے جیسے کن کھجورا، ایذا پہنچانے والی چیونٹی، مچھر، پسو، کھٹمل، مکھی، بھڑ، گرگٹ، چھپکلی، کیکڑا وغیرہ، پس ان جانوروں کو حرم واحرام میں مارنے سے کوئی جزا اور گناہ لازم نہ ہوگا، کیوں کہ یہ جانور اکثر ایذا پہنچانے میں ابتدا کرتے ہیں، پس وہ سانپ بچھو کے حکم میں ہیں۔ (۱)

البتہ جوں کا مارنا جائز نہیں اگر چہ وہ ایذا پہنچاتی ہے، کیوں کہ وہ بدن سے پیدا ہونے والا کیڑا ہے۔ اور اس میں اصول یہ ہے کہ جو کیڑے بدن سے پیدا ہوں ان کو مارنا جائز نہیں (کیوں کہ یہ میل کچیل سے پیدا ہوتے ہیں اور محرم کے لئے بالوں کی طرح میل کچیل دور کرنا بھی ممنوع ہے) اور جو کیڑے بدن سے پیدا نہ ہوں اور موذی ہوں جیسے کھٹمل وغیرہ ان کو مارنا جائز ہے —— پس اگر کسی نے جوں کو مارا تو ایک مشت گیہوں یا روٹی کا ٹکڑا وغیرہ جو چاہے صدقہ کر دے، البتہ اگر تین سے زیادہ جوئیں ماریں (اور زیادہ خواہ کتنی ہی ہوں) تو ایک صدقہ دینا واجب ہوگا۔ لیکن اگر محرم نے زمین پر پڑی ہوئی جوں کو (بشرطیکہ خود اس نے نہ ڈالی ہو) یا اپنے بدن یا کپڑے کے علاوہ کسی اور کے بدن یا کپڑے سے جوں کو مار دیا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ (۲)

---

(۱) وليس في قتل البعوض والبراغيث والقراد والفراش والذباب والوزغ والزنبور والخنافس والسلحفاة والقنفذ والصرصر وجميع هوام الأرض شيء من الجزاء، لأنها ليست بصيود ولامتلودمن البدن (اللباب في شرح الكتاب: ۱/۱۸۸، شامی: ۳/۶۰۷) (۲) ومن قتل قملة تصدق بماشاء مثل كف من طعام وهذا إذا أخذ القملة من بدنه أو رأسه أو ثوبه أما إذا اخذها من الأرض فقتلها فلا شيء فيه سواء قتل القملة أو ألقاها على الأرض وان قتل قملتين أو ثلاثا تصدق بكف من طعام وفي الزيادة على ذالك نصف صاع من حنطة (ہندیہ: ۱/۲۵۲) حتى ←

نوٹ: جنایات کے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

رمی کا بیان

۱۹۶- **ضابطہ:** ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہے اس سے رمی جائز ہے اور جو غیر جنس سے ہے اس سے رمی جائز نہیں۔(۱)

جیسے مٹی کی ڈلی، گارے کی گولی، پتھر، چونا، ہڑتال، سرمہ، وغیرہ سے رمی جائز ہے (لیکن افضل یہ ہے کہ کنکری سے رمی کرے اور وہ بھی مٹر کے دانہ کے برابر ہو۔ بڑے پتھر اور نوک والی کنکریوں سے رمی کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ کسی کو لگ جائے تو زخمی ہونے کا خطرہ ہے)

اور جو چیز زمین کے جنس سے نہ ہو، جیسے سونا، چاندی، پیتل، تانبا، لوہا، پلاسٹک، لکڑی وغیرہ تو اس سے بالکل رمی جائز نہیں۔ پس بعض لوگ جو کنکری کی جگہ چپل، جوتا مارتے ہیں ان کی رمی صحیح نہیں ہوتی، کیوں کہ چپل وغیرہ جنس زمین سے نہیں ہیں۔

۱۹۷- **ضابطہ:** ہر کنکری مستقل مارنی ضروری ہے۔(۲)

تفریع: پس اگر کسی نے ایک ساتھ سات کنکریاں ماردیں تو ایک ہی کنکری شمار ہوگی (ایک ایک کنکری کر کے سات دفعہ مارنا ضروری ہے)

۱۹۸- **ضابطہ:** وہ جمرہ جس کے بعد دوسرے جمرہ کی رمی ہے وہاں ٹھہرنا اور دعا میں مشغول ہونا مستحب ہے اور جس جمرہ کے بعد رمی نہیں ہے وہاں ٹھہرنا صحیح نہیں۔(۳)

← لو قتل ماعلى الأرض من القمل فإنه لاشيء عليه ، أو قتلها من بدن غيره فكذالك (البحر:۳/۲۱)

---

(۱) البحر:۳/۶۰۳_(۲) سبع رميات بسبع حصيات (شامی:۳/۵۳۱)

(۳) ووقف...... بعد تمام كل رمي بعده رمي فقط، فلا يقف بعد الثالثة ولا بعد رمي يوم النحر، لأنه ليس بعده رمي (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۳/۵۴۱)

تشریح: پس یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو رمی کے بعد بالکل نہ ٹھہرے، اس لئے کہ اس دن صرف جمرۂ عقبہ کی رمی ہے، اس کے بعد کسی اور جمرہ کی رمی نہیں ہے ——— اور ۱۱/۱۲ ذی الحجہ کو جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی کے بعد ایک طرف ہو کر کچھ ٹھہر جائے اور ان دونوں جمروں پر قبلہ رو ہو کر دعا کرے۔ اور جمرۂ عقبہ (اخریٰ) پر نہ ٹھہرے، کیوں کہ اس کے بعد کسی اور جمرہ کی رمی نہیں۔

۱۹۹- **ضابطہ**: رمی خود پھینکنے والے کے فعل سے ہونا ضروری ہے۔ (۱)

تفریع: پس اگر کنکری ماری اور وہ کسی شخص کے کپڑوں میں جا کر الجھ گئی، پھر اس کے حرکت کرنے سے جمرہ کے قریب جا کر گری تو یہ رمی صحیح نہ ہوگی، کیوں کہ جمرہ کے قریب جا کر گرنا دوسرے کے فعل سے ہوا نہ کہ خود پھینکنے والے کے فعل سے۔ (۲)

۲۰۰- **ضابطہ**: جس شخص کو رمی پر (حقیقتاً) قدرت نہیں اس کی طرف سے نیابت جائز ہے۔ (۳)

جیسے اپاہج، اندھے، ہاتھ کٹے شخص کی طرف سے کوئی دوسرا آدمی اس کی اجازت سے نائب بن کر رمی کرے تو جائز ہے (لیکن اگر تندرست عورت بھیڑ کی وجہ سے رمی نہ کر سکے تو اس کی طرف سے نیابت جائز نہیں، اس کو چاہئے رات میں رمی کرے، بلکہ عورتوں کے لئے رات میں رمی کرنا افضل ہے) (۴)

حج کی قربانی:

۲۰۱- **ضابطہ**: جس جانور کی قربانی عیدالاضحیٰ میں جائز نہیں حج میں بھی جائز

(۱) مستفاد الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۵۳۱۔ (۲) ولو وقعت علی ظهر رجل أو جمل إن وقعت بنفسها بقرب الجمرة جاز، وإلا لا (الدر المختار) أی وإن لم تقع من علی ظهره بنفسها، بل بتحرك الرجل أو الجمل (شامی: ۳/۵۳۱)
(۳) غنیۃ الناسک: ۱۸۸۔ (۴) غنیۃ الناسک: ۱۸۸۔

نہیں۔ (۱)

تشریح: پس ہرن وغیرہ وحشی جانوروں کی قربانی حج میں جائز نہیں۔

اس طرح حج کی قربانی کا جانوران تمام عیوب سے پاک ہونا ضروری ہے، جو عید الاضحیٰ کی قربانی میں شرط ہے (ان عیوب کی تفصیل قربانی کے بیان میں آرہی ہے)

طواف کا بیان

۲۰۲- **ضابطہ**: رمل اور اضطباع ہر اس طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی ہے۔ اور جس طواف کے بعد سعی نہیں اس میں رمل واضطباع مسنون نہیں۔ (۲)

فائدہ: رمل یہ ہے کہ سینہ تان کر کندھے ہلاتے ہوئے ذرا تیز قدموں سے چلے جیسے پہلوان جب اکھاڑے میں اترتا ہے تو چلتا ہے۔ رمل شروع کے تین چکروں میں مسنون ہے، باقی چار چکروں میں رمل مسنون نہیں، بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (۳)

—— اگر پہلے چکر میں رمل چھوڑ دیا تو اس کے بعد صرف دو چکر میں رمل کرے اور پہلے دو میں چھوڑ دیا تو اس کے بعد صرف ایک چکر میں کرے، اگر تینوں میں چھوڑ دیا تو اب بالکل رمل نہ کرے، کیوں کہ چھٹے ہوئے رمل کی قضا نہیں۔ (۴) —— اور رمل صرف مرد کریں، عورتوں کے لئے رمل نہیں۔ (۵)

اور اضطباع کے معنی ہیں: دائیں بغل کے نیچے سے چادر نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔ یہ رمل میں سہولت کے لئے ہے، مگر اضطباع آپ ﷺ نے آخر تک باقی رکھا

(۱) يجزئ في ذالك مايجزئ في الأضحية (اللباب على هامش الجوهرة: ۲۳۳/۱)

(۲) ہندیہ: ۲۲۶/۱، شامی: ۵۱۰/۳۔ (۳) لأن ترك الرمل في الأربعة سنة.. وينبغي أن يكره تنزيهاً لمخالفة السنة (شامی: ۵۱۱/۳) (۴) ولو مشى شوطاً ثم تذكر لايرمل إلا في شوطين وإن لم يذكر في الثلاثة لايرمل بعد ذالك (شامی: ۵۱۱/۳)

(۵) النتف في الفتاوى: ۱۳۲۔

تھا اس لئے اضطباع ساتوں چکروں میں مسنون ہے ——— لیکن خیال رہے کہ اضطباع صرف طواف میں ہے، طواف کے علاوہ عام حالت میں مسنون نہیں، پس بعض لوگ جو ہر حال میں حتی کہ نماز میں بھی اضطباع کئے رہتے ہیں وہ غلط ہے۔ (۱)

۲۰۳- **ضابطہ**: جس طرح نماز میں ستر کا چھپانا واجب ہے طواف میں بھی واجب ہے۔ (۲)

تفریع: پس اگر کسی نے اعضائے ستر میں سے کسی عضو کے چوتھائی یا زائد کھلے ہوئے ہونے کی حالت میں طواف کیا تو دم واجب ہوگا۔ (۳)

(۱) وفي شرح اللباب: واعلم أن الاضطباع سنة في جميع أشواط الطواف كما صرح به ابن الضياء، فإذا فرغ من الطواف تركه حتى إذا صلى ركعتي الطواف مضطبعا يكره لكشفه منكبيه (شامی:۳/۵۰۷)

(۲) بدائع الصنائع:۲/۳۳۴۔

(۳) حتى لو طاف مكشوف العورة قدر مالاتجوز به الصلاة جاز ولكن يجب عليه الدم (بدائع الصنائع:۲/۳۳۴)

قربانی کا بیان

۲۰۴- **ضابطہ**: جس شخص پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اس پر قربانی بھی واجب ہوتی ہے، مگر اس کا برعکس نہیں۔

تشریح: پس جس کی ملک میں (قرض نکال کر) ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہو یا اس قیمت کے بقدر مال تجارت ہو تو اس پر زکوۃ بھی واجب ہوگی اور قربانی (وصدقۃ الفطر) بھی، کیوں کہ یہ نصاب نامی ہے اور نصاب نامی سے زکوۃ بھی واجب ہو جاتی ہے اور قربانی بھی ـــــــ اور اگر نصاب غیر نامی ہو، مثلاً ضرورت سے زائد مکان یا زمین ہو یا کپڑے ہوں یا گھریلو سامان ہو اور اس میں تجارت کی نیت نہ ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی، زکوۃ واجب نہ ہوگی، کیوں کہ قربانی اور صدقۃ الفطر میں مال غیر نامی کو بھی شمار کیا جاتا ہے اور زکوۃ میں صرف مال نامی کا اعتبار کیا جاتا ہے (قربانی وصدقۃ الفطر میں مال پر سال گذرنا ضروری نہیں)

فائدہ: سونا، چاندی اور کرنسی مطلقاً مال نامی ہیں اور ان کے علاوہ مال واسباب میں اگر تجارت کی نیت ہے تو وہ مال نامی ہے، ورنہ غیر نامی۔

۲۰۵- **ضابطہ**: قربانی کے وجوب وسقوط میں اعتبار آخری وقت کا ہے۔[۲]

تفریع: پس قربانی کے آخر وقت میں غریب آدمی غنی ہو گیا؛ یا مسافر مقیم ہوا؛ یا نابالغ بالغ ہوا؛ یا کافر مسلمان ہوا (اور وہ سب غنی ہیں) تو ان پر قربانی واجب ہو جائے گی۔

---

(۱) مستفاد ھندیہ: ۲۹۲/۵۔ (۲) والمعتبر وجود هذه الشرائط آخر الوقت وإن لم تكن في أوله (شامی: ۴۵۲/۹)

اور آخر وقت میں غنی (جس نے ابھی قربانی نہیں کی) فقیر ہوگیا؛ یا مر گیا؛ یا مرتد ہوگیا (نعوذ باللہ)؛ یا سفر کرلیا تو اس سے وجوب ساقط ہو جائے گا۔[1]

۲۰۶-**ضابطہ:** فقیر کا قربانی کے دنوں میں قربانی کی نیت سے جانور خریدنا عرفاً منت ہے، بخلاف مالدار کے۔[2]

تفریعات:

(۱) پس اگر فقیر (جس پر قربانی واجب نہیں) نے کوئی جانور قربانی کے دنوں میں قربانی کی نیت سے خریدا تو اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی، اب اس کے لئے اس جانور کا بدلنا جائز نہیں، اگر چہ اس میں عیب پیدا ہو جائے۔

اور مالدار نے اگر کوئی جانور خریدا تو وہ منت کے حکم میں نہیں، پس وہ اس جانور کو بدلنا چاہے تو بدل سکتا ہے، بلکہ اگر اس میں عیب پیدا ہو جائے تو اس پر دوسرے جانور کی قربانی ضروری ہے (اور فقیر اسی جانور کو ذبح کرلے)[3]

(۲) اگر جانور مر گیا یا گم ہوگیا یا چوری ہوگیا تو مالدار پر دوسرے جانور کی قربانی واجب ہے اور فقیر پر واجب نہیں، پھر اگر دوسرا جانور خریدا اور اتفاق سے پہلا جانور بھی مل گیا تو مالدار پر دونوں میں سے کسی ایک کی قربانی واجب ہے (اور دونوں کا ذبح کرنا مستحب ہے) اور فقیر پر دونوں کی قربانی واجب ہے، کیوں کہ اس نے دونوں ہی جانور

---

(۱) والمعتبر آخر وقتها للفقير وضده والولادة والموت، فلو كان غنيا في أول الأيام فقيرا في آخرها لاتجب عليه، وإن ولد في اليوم الآخر تجب عليه، وإن مات فيه لاتجب عليه (الدر والشامی: ۹/۴۶۲، بدائع: ۴/۲۰۰)

(۲) لأن شرائه لها يجري مجرى الايجاب وهو النذر بالتضحية عرفا كما في البدائع (شامی: ۹/۴۶۵) (۳) ولو اشتراها سليمة ثم تعيبت بعيب مانع فعليه إقامة غيرها مقامها إن كان غنياً وإن كان فقيراً أجزئه ذالك.....لعدم وجوبها عليه بخلاف الغنى (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/۴۷۱)

قربانی کی نیت سے خریدے ہیں، اس لئے یہ اس کے حق میں بمنزلہ منت کے ہیں۔ (۱)

(۳) اسی طرح اگر فقیر نے کوئی بڑا جانور اپنے لئے خریدا اور خریدتے وقت شرکت کی نیت نہیں تھی تو وہ جانور اسی کے لئے متعین ہو گیا، اب اس میں کسی اور کو شریک نہیں کر سکتا، برخلاف مالدار کے۔ (۲)

ملحوظہ: فقیر کا جانور خریدنا منت کے حکم میں اس وقت ہوتا ہے جب اس کو ایام اضحیہ میں خریدا ہو، اگر ایام اضحیہ سے پہلے خریدا ہو تو اسکے لئے یہ حکم نہیں۔ عزیز الفتاویٰ میں ہے: اگر فقیر ایام النحر میں قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے تو وہ متعین ہو جاتا ہے قربانی کے لئے، لیکن اگر ایام النحر میں نہ خریدا بلکہ ایام النحر سے قبل خریدا تو دونوں (امیر و غریب) کو بدلنا جائز ہے۔ (۳)

استدراک: اگر فقیر کی ملکیت میں پہلے سے کوئی جانور تھا اور وہ اس میں قربانی کی نیت کرے یا جانور خریدتے وقت قربانی کی نیت نہیں کی پھر بعد میں نیت کی تو وہ منت کے حکم میں نہ ہوگا، کیوں کہ اعتبار خریدتے وقت نیت کا ہے۔ (۴) (البتہ اگر صراحتاً زبان سے منت مان لے تو پھر یہ شرعاً منت ہو جائے گی، اب اس جانور کی قربانی واجب ہوگی، نیز اس کا گوشت بھی کھانا جائز نہیں ہوگا، سارا گوشت غرباء کو دینا ضروری ہوگا) (۵)

۲۰۷- **ضابطہ**: جانور میں ہر ایسا عیب جس سے کسی قسم کی منفعت یا ظاہری

---

(۱) شامی: ۹/ ۴۶۷، بدائع: ۴/ ۱۹۹۔ (۲) اما الفقیر فلا یجوز ان یشرک فیھا لأنہ اوجبھا علی نفسہ بالشراء للأضحیۃ فتعینت للوجوب (شامی: ۹/ ۴۵۹)

(۳) عزیز الفتاویٰ: ۵/ ۶۵، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۲۸، کراچی۔

(۴) فلو کانت فی ملکہ فنوی ان یضحی بھا او اشتراھا ولم ینو الأضحیۃ وقت الشراء ثم نوی بعد ذالک لایجب لأن النیۃ لم تقارن الشراء فلاتعتبر (شامی: ۹/ ۴۶۵، خانیہ: ۳/ ۳۴۶)

(۵) ولایاکل الناذر منھا، ای نذراً علی حقیقتہ (شامی: ۹/ ۴۶۴)

جمال بالکل ختم ہوجائے قربانی کے لئے مانع ہے۔اور جو عیب ایسا نہ ہو اس میں حرج نہیں۔[1]

تفریعات:

(۱) پس جو جانور اندھایا کانا ہو، یا اس کی ایک آنکھ کی تہائی سے زائد روشنی چلی گئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔[2]

(۲) جانور کا ایک کان ایک تہائی یا زائد کٹ گیا ہو؛ یا دم (پونچھ) ایک تہائی یا زائد کٹ گئی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (البتہ دم یا کان پیدائشی چھوٹے ہوں تو کوئی حرج نہیں، اسی طرح کان میں سوراخ ہو یا کان لمبائی میں چیرا گیا ہو تو بھی مضائقہ نہیں)[3]

(۳) اگر زبان اتنی کٹ گئی ہو کہ گھاس نہ کھا سکتا ہو تو قربانی جائز نہیں۔[4]

(۴) جانور کے پیدائشی دانت نہ ہوں یا اکثر دانت گر گئے ہوں تو قربانی جائز نہیں۔[5] (البتہ اگر دانت نہ ہونے کے باوجود گھاس کھا سکتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے یہی صحیح قول ہے)[6]

(۵) جانور کا سینگ جڑ سے ٹوٹ گیا اور اس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا تو قربانی جائز نہیں۔ (البتہ اگر پیدائشی سینگ نہ ہوں یا سینگ جڑ سے نہیں ٹوٹا، بیچ میں سے ٹوٹ گیا یا صرف کھول اتر گیا تو اس کی قربانی جائز ہے)[7]

(۶) جانور اتنا لنگڑا ہو کہ صرف تین پاؤں سے چلتا ہو، چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا ہی نہ ہو یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہو مگر اس سے چل نہ سکتا ہو تو قربانی جائز نہیں۔ (لیکن اگر چلتے

---

(۱) كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال يمنع الأضحية وما لايكون بهذه الصفة لايمنع (هندية: ۲۹۹/۵) (۲) ہندیہ: ۲۹۷/۵۔

(۳) ہندیہ: ۲۹۷/۵۔ (۴) شامی: ۴۷۰/۹۔ (۵) خانیہ: ۳۴۶/۳۔

(۶) وأما الهتماء وهى التى لاأسنان لها فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا، وهو الصحيح (ہندیہ ۲۹۸/۵) (۷) ہندیہ: ۲۹۷/۵۔

درست اس لنگڑے پاؤں کا سہارا لے کر چلتا ہو اگرچہ لنگڑا کر چلتا ہو تو پھر اس کی قربانی درست ہے)[۱]

(۷) جانور اتنا پاگل یا بیمار ہو کہ پاگل پن اور بیماری کی وجہ سے کھاپی نہ سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔[۲]

(۸) اتنا کمزور اور مریل ہو کہ ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو (جس کی علامت یہ ہے کہ پیروں پر کھڑا نہ ہو سکے) تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (اور اگر اتنا کمزور نہ ہو بلکہ چلتا پھرتا ہو مگر دبلا پتلا ہو تو کوئی حرج نہیں اس کی قربانی جائز ہے)[۳]

(۹) دو تھن والے جانور میں ایک تھن اور چار تھن والے جانور میں دو تھن سوکھ گئے ہوں (یعنی کسی بیماری کی وجہ سے ان میں دودھ نہ اترتا ہو) یا کٹ گئے ہوں یا اتنے زخمی ہوں کہ بچہ کو دودھ نہ پلا سکے تو اس کی قربانی جائز نہیں۔[۴]

(۱۰) خنثیٰ یعنی جانور میں پیدائشی مذکر و مؤنث دونوں کی علامت ہو، یا کوئی علامت نہ ہو تو قربانی جائز نہیں۔[۵]

ملحوظہ: یہ سب عیوب خواہ خریدنے سے پہلے ہوں یا خریدنے کے بعد پیدا ہوئے ہوں دونوں کا حکم یکساں ہے، البتہ ذبح کرتے وقت جانور کے تڑپنے یا کودنے سے کوئی عیب پیدا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ایسا عیب معاف ہے۔[۶]

ان کے علاوہ باقی عیوب میں حرج نہیں، جیسے:

(۱۱) جانور خارش زدہ، مگر فربہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔[۷]

---

(۱) شامی: ۹/ ۴۶۸۔ (۲) شامی: ۹/ ۴۶۹۔ (۳) بدائع الصنائع: ۴/ ۲۱۴۔

(۴) ھندیہ: ۵/ ۲۹۸، خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/ ۳۲۱۔ (۵) ھندیہ: ۵/ ۲۹۹۔

(۶) ولا یضر تعیبها من اضطرابها عند الذبح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/ ۴۷۱)

(۷) ویضحی .. الجرباء السمینة فلو مهزولة لم یجز (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/ ۴۶۵)

(۱۲) زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے بچہ پیدا کرنے کے لائق نہ رہا ہو، اس کی قربانی جائز ہے۔[۱]

(۱۳) داغ دیا ہوا ہو تو کوئی حرج نہیں، قربانی جائز ہے۔[۲]

(۱۴) جانور ایک فوطہ والا ہو تو کوئی بات نہیں، قربانی درست ہے۔[۳]

(۱۵) جانور رسولی والا ہو تو مضائقہ نہیں، قربانی صحیح ہے۔[۴] (رسولی: گلٹی اور بڑی گرہ کو کہتے ہیں جو مواد سے ہو جاتی ہے یہ عامۃً اوپری حصہ میں پشت اور گردن کے بیچ میں ہوتی ہے، فیروز اللغات)

(۱۶) کتیا، خنزیر یا عورت کے دودھ سے جس جانور نے پرورش پائی ہو اس کی قربانی جائز ہے (کیوں کہ بڑا ہونے تک چارہ وغیرہ کھانے سے اس دودھ کا اثر ختم ہو جاتا ہے)[۵]

(۱۷) جانور نجاست کھانے والا ہو مگر چند روز باندھ کر اس کو چارہ کھلایا گیا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے۔ بزازیہ میں ہے کہ اس کی مدت اونٹ میں ایک مہینہ؛ گائے، بھینس میں ۲۰ روز اور بکرے مینڈھے میں ۱۰ روز ہے، مگر علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: اصح یہ ہے کہ وقت کی کوئی تحدید نہیں جب بھی جانور کے گوشت سے بدبو ختم ہو جائے ذبح کرنا جائز ہے۔[۶]

---

(۱) ویجوز المجبوب ــــ والعاجزة عن الولادة لکبر سنها (هندیہ: ۵/۲۹۷)

(۲) ویجوز ــــ اللتی بها کی (ہندیہ: ۵/۲۹۷) (۳) (بدلیل جواز الخصی. کما فی المحمودیہ) (۴) رحیمیہ: ۳/۱۸۲۔ (۵) حلت کما حل اکل جدی غذی بلبن خنزیر (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/۳۹۱، کتاب الحظر)

(۶) وفی البزازیة: أن ذالک شرط فی التی لا تاکل إلا الجیف ولکنه جعل التقدیر فی الابل بشهر وفی البقر بعشرین وفی الشاة بعشرة، وقال السرخسی: الأصح عدم التقدیر حتی تزول الرائحة المنتنة (شامی: ۹/۳۹۱، کتاب الحظر)

اور جو جانور نجاست کے ساتھ چارہ وغیرہ بھی کھاتا ہو اور نجاست کھانے سے اس کا گوشت بدبودار نہ ہوا ہو اس کو فوراً ذبح کرنا جائز ہے، باندھنا ضروری نہیں۔ (۱)

(۱۸) جو جانور بت یا مزار کے نام پر چھوڑا گیا ہو مگر اس کے مالک (چھوڑنے والے) سے خرید لیا گیا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے (مالک سے خریدنا اس لئے کہ ایسا جانور مالک کی ملک ہی میں رہتا ہے) (۲)

(۱۹) جس جانور کے بال کاٹ لئے گئے ہوں یا بال جل گئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے۔ (۳)

(۲۰) زمین جوتنے یا رسی باندھنے یا مارنے سے جسم پر نشان یا زخم پڑ گیا ہو تو اس کی بھی قربانی جائز ہے۔ (۴)

مگر مستحب یہ ہے کہ جانور خوبصورت، فربہ اور پیدائشی اعتبار سے مکمل ہو کہ یہ قربان گاہ الٰہی پر اپنی چاہت اور محبت کی قربانی ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ جانور میں ذرا بھی عیب نہ ہو، ہر اعتبار سے کامل ومکمل ہو۔ (۵)

۲۰۸- **ضابطہ**: بڑے جانور میں شرکت کے لئے ہر شریک کی عبادت کی نیت ضروری ہے۔ (۶)

تشریح: پس تمام شرکا کے لئے ضروری ہے کہ قربانی؛ یا عقیقہ؛ یا دم تمتع؛ وغیرہ کی

(۱) ولو اکل النجاسة وغیره بحیث لم ینتن حلت (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/۴۹۱) (۲) معارف القرآن: ۱/۴۲۳، سورۂ بقرہ، تحت الآیة وما اھل بہ لغیر اللہ۔

(۳) وکذا المجزوزة وھی اللتی جز صوفھا الخ (ہندیہ: ۵/۲۹۷)

(۴) عزیز الفتاویٰ: ۳/۵۳۰۔ (۵) قال القھستانی: واعلم ان الکل لایخلو عن عیب، والمستحب ان یکون سلیما عن العیوب الظاھر، فما جوزھاھنا جوز مع الکراھة (شامی: ۹/۴۶۸) (۶) وان کان شریك الستة نصرانیا او مرید اللحم لم یجز عن واحد منھم لان الاراقة لاتتجزا (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/۴۷۲)

نیت سے شریک ہوں، اگر ایک شریک کی بھی نیت گوشت کی ہوگی تو سب کی قربانی درست نہ ہوگی۔

۲۰۹-**ضابطہ**: بوقت خرید جانور کے جسم پر جو چیزیں ہوتی ہیں ان کا صدقہ کرنا مستحب ہے۔(۱)

تشریح: پس رسی، قلادۃ، بالی وغیرہ جو جانور کے بدن پر ہوں (ذبح کے بعد) ان سب کا صدقہ کردینا مستحب ہے، خود بھی استعمال کرسکتا ہے۔ البتہ اگر فروخت کردے تو اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ گوشت اور چرم کا حکم ہے۔(۲)

اور جانور خریدنے کے بعد جو اپنی رسی وغیرہ استعمال کی ہے اس کے لئے صدقہ کا حکم نہیں۔(۳)

(۱) ویتصدق بجلدها و کذا بجلالها وقلائدها، فإنه یستحب (شامی:۹/۴۷۴)

(۲) ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لاینتفع به إلا بعد استهلاکه تصدق بثمنه، لأن القربة انتقلت إلى بدله وقوله علیه السلام من باع جلد أضحیته فلا أضحیة له یفید کراهة البیع ...... ولایعطی اجر الجزار من الأضحیة لقوله علیه السلام لعلی رضی الله عنه تصدق بجلالها وخطامها ولا تعط الجزار منها شیئا والنهی عنه نهی عن البیع أیضاً، لأنه فی معنی البیع. (ہدایہ:۴/۴۵۰)

(۳) محمودیہ:۱۷/۲۸۸۔

کتاب النکاح

ایجاب وقبول کا بیان

۲۱۰- **ضابطہ**: جو لفظ جو فی الحال کامل ملکیت پر دلالت کرتا ہے (جیسے ہبہ، صدقہ، تملیک، بیع، شراء، قرض وغیرہ) اس سے نکاح کرنا درست ہے (جبکہ اس سے نکاح مراد لینے کی نیت یا کوئی قرینہ ہو اور گواہ بھی یہ مقصد کسی طرح سمجھتے ہوں)[1]

تشریح: پس جس طرح نکاح اور تزویج وغیرہ صریح الفاظ سے نکاح ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ الفاظ جو لفظ نکاح کے ہم معنی تو نہیں مگر ان سے کنایۃً نکاح کا مفہوم سمجھا جاتا ہے تو ان سے بھی نکاح ہو جائے گا، جبکہ وہ لفظ ایسا ہو جس سے فی الحال کامل ملکیت مراد لی جاتی ہو، جیسے ہبہ، صدقہ، تملیک، بیع، شراء، قرض وغیرہ مثلاً عورت یوں کہے: ''میں نے اپنی ذات تجھے ہبہ کی'' یا ''صدقہ کیا'' یا ''تجھے اپنی ذات کا مالک بنایا'' یا جیسے مرد کہے: ''میں نے تجھ کو اتنے روپیہ کے عوض خرید لیا'' یا عورت کہے: ''میں نے اپنی ذات تیرے ہاتھ فروخت کی'' یا ''قرض دی'' تو قبول پائے جانے پر ان تمام صورتوں میں اصح اور مختار قول کے مطابق نکاح ہو جاتا ہے بشرطیکہ متکلم نے اس لفظ سے نکاح ہی مراد لیا ہو اور کوئی قرینہ بھی اس امر پر دلالت کرتا ہو، مثلاً مہر کا ذکر یا لوگوں کو

(۱)(وإنما يصح بلفظ تزويج ونكاح) ...... (وما) عداهما ...... كل لفظ (وضع لتمليك عين) كاملة ...... (في الحال) ...... بشرط النية أو قرينة وفهم الشهود المقصود (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/ ۷۸ تا ۸۳)

جمع کرنا، گواہ بنانا اور خطبۂ نکاح پڑھنا وغیرہ۔ اور اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو قبول کرنے والے نے اپنی مراد کو واضح کیا ہو۔ نیز گواہوں نے بھی سمجھ لیا ہو کہ اس لفظ سے نکاح مراد لیا ہے، خواہ بتلانے سے سمجھا ہو یا کسی قرینہ سے خود ہی سمجھ لیا ہو۔

اور وہ الفاظ جن سے کامل ملکیت مراد نہیں ہوتی ان سے نکاح درست نہیں، جیسے رہن، عاریت، تحلیل، اباحت، اجارہ وغیرہ۔ اسی طرح وہ لفظ جس سے کامل ملکیت تو مراد ہوتی ہے، لیکن فی الحال مراد نہیں ہوتی اس سے بھی نکاح جائز نہیں، جیسے وصیت کا لفظ یعنی عورت کا باپ کہے: "میں وصیت کرتا ہوں کہ تو میری بیٹی کا مالک ہے" اور مرد قبول بھی کرلے تو اس سے نکاح نہ ہوگا اس لئے کہ وصیت میں اگرچہ کامل ملکیت ہوتی ہے، مگر فی الحال نہیں ہوتی، بلکہ وصی کے مرنے کے بعد ہوتی ہے۔

۲۱۱- **ضابطہ**: ایجاب وقبول ہر زبان میں درست ہے اور ان کے معنی جاننا ضروری نہیں۔ (۱)

تشریح: پس عربی، فارسی، اردو وغیرہ کسی بھی زبان میں ایجاب وقبول کرلے تو نکاح ہوجائے گا، اگرچہ اس کے معنی معلوم نہ ہوں، صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس لفظ سے نکاح ہو رہا ہے۔ (۲)

تفریع: پس اگر کسی کو گواہوں کی موجودگی میں سکھایا جائے کہ کہہ "زَوَّجْتُ نَفْسِي مِنْكَ" اور عورت کو سکھایا جائے کہ کہہ "قَبِلْتُ" و نکاح ہوجائے گا، اگرچہ مرد اور عورت یہ نہ جانتے ہوں کہ ان الفاظ کے کیا معنی ہیں۔ ہاں اتنا ضرور جانتے ہوں کہ یہ ایجاب یا قبول کا کلمہ ہے، اگر یہ بھی نہ جانتے ہوں تو پھر نکاح نہ ہوگا۔ (۳)

---

(۱) شامی: ۹۲/۴۔ (۲) ووفق الرحمتی بحمل القول بالاشتراط علی علم اشتراط فهم معانی الألفاظ بعد فهم أن المراد عقد النكاح (شامی: ۹۲/۴)

(۳) وفی تقریرات الرافعی ۱۸۱: لكن فی البزازية: تلفظت المرأة بالعربية زوجت نفسی من فلان ولاتعرف ذالك وقال فلان قبلت والشهود يعلمون أو ←

۲۱۲- **ضابطہ**: ایجاب وقبول لفظاً معتبر ہے نہ کہ فعلاً۔ [۱]

تفریعات:

(۱) پس اگر کوئی مرد کہے: ''میں نے اتنے روپیہ کے عوض تم سے نکاح کیا'' جواب میں عورت کچھ نہ کہے، صرف مہر پر قبضہ کرلے تو اس طرح نکاح منعقد نہ ہوگا۔

(۲) اسی طرح ہندوؤں کی طرح مرد وعورت نے سات پھیرے لئے اور مرد نے عورت کو منگل شتر پہنایا (جیسا کہ بعض جگہوں میں نام نہاد مسلمان بھی ایسا کرتے ہیں) اور زبان سے ایجاب قبول نہیں کیا تو نکاح نہ ہوگا۔

۲۱۳- **ضابطہ**: دونوں گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب وقبول سننا ضروری ہے۔ [۲]

تفریع: پس اگر گواہوں نے صرف ایجاب کا لفظ سنا اور قبول کا لفظ نہیں سنا؛ یا ایک نے صرف ایجاب کا لفظ سنا اور دوسرے نے صرف قبول کا؛ یا دونوں گواہوں نے متفرقاً (علاحدہ علاحدہ) ایجاب وقبول کو سنا، یعنی پہلے ایک نے سنا پھر دوسرے نے تو ان تمام صورتوں میں نکاح نہ ہوگا۔

استدراک: لیکن اگر کوئی شخص گونگا ہو تو ظاہر ہے کہ گواہ اس کا کلام نہیں سن سکتے، پس یہ صورت مستثنیٰ ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ گونگا شخص لکھنا جانتا ہو تو اس کے لئے ایجاب یا قبول کو لکھنا ضروری ہے (یعنی گواہوں کے سامنے نکاح کی مجلس میں لکھ کر پیش کرے) اور اگر لکھنا نہ جانتا ہو تو ایسے اشارہ سے جو مقصود پر دلالت کرنے والا ہو ایجاب یا قبول کرے تو کافی ہے، نکاح صحیح ہوجائے گا۔ [۳]

← لایعلمون صح النکاح، قال فی النصاب وعلیه الفتویٰ۔

(۱) فلاینعقد بقبول بالفعل (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴/۷۳، ہندیہ: ۱/۲۷۰)

(۲) سامعین قولهما معاً (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴/۹۱، البحر ۳/۱۵۶)

(۳) فإن کان الأخرس لایکتب وکان له اشارة تعرف فی طلاقه ونکاحه......

فهو جائز الخ. فقد رتب جواز الاشارة علی عجزه عن الکتابة فیفید أنه إن ←

۲۱۴- **ضابطہ**: ایجاب کی عبارت تام ہونے سے پہلے قبول صحیح نہیں۔ (۱)

تفریع: پس اگر نکاح پڑھانے والے نے کہا "میں نے فلاں بنت فلاں کا نکاح تجھ سے کیا" اور لفظ "کیا" کہنے سے قبل ہی مرد نے کہا "میں نے قبول کیا" تو یہ قبول صحیح نہ ہوگا (کیوں کہ جب تک آخری لفظ نہ بولا جائے کلام میں استثناء وغیرہ کے ذریعہ تغیر کا احتمال باقی رہتا ہے)

۲۱۵- **ضابطہ**: نکاح کے وقت دولہا ودلہن کی تعیین ضروری ہے، نام لینا ضروری نہیں۔ (۲)

تفریعات:

(۱) اگر مجلس نکاح میں دولہا ودلہن موجود ہوں تو ایجاب وقبول کے وقت ان کا نام لینا ضروری نہیں، اشارہ کرلینا کافی ہے جیسے نکاح خواں کہے: "میں نے تمہارا نکاح ان کے ساتھ کردیا"۔

(۲) اگر دولہا ودلہن موجود نہ ہوں مگر گواہوں اور عاقد کے سامنے نام لئے بغیر ہی متعین ہوں، مثلاً کسی شخص کی ایک ہی لڑکی ہے اس نے کسی مرد سے کہا "میں نے تمہارا نکاح اپنی لڑکی سے کردیا" مرد نے کہا "میں نے قبول کیا" تو نکاح ہوگیا، جبکہ وہ مرد اور گواہ جانتے ہوں کہ اس کی ایک ہی لڑکی ہے۔ یا دو لڑکیاں ہوں مگر ان میں سے ایک شادی شدہ اور دوسری غیر شادی شدہ ہو (اور اس بات کو مرد وگواہ جانتے ہوں) تو غیر شادی شدہ سے نکاح متعین ہوجائے گا، اگرچہ اس کا نام نہ لیا ہو۔ (۳)

← کان یحسن الکتابة لاتجوز اشارته (شامی: ۲/۵۸۴)

(۱) فلو قبل الآخر قبله لم یصح لتوقف أول الکلام علی آخره لوفیه مایغیر أوله (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۴/۷۵) (۲) مستفاد: شامی: ۴/۹۰۔

(۳) إذا کان للمزوج ابنة واحدة وللقابل ابن واحد فقال زوجت ابنتی من ابنك یجوز النکاح (البحر) وفی البزازیة: رجل له ابنتان مزوجة وغیر مزوجة ←

لیکن اگر دولہا یا دولہن مجلس نکاح میں موجود نہ ہوں اور نہ گواہ وعاقد کے سامنے متعین ہوں تو پھر اس کا اور اس کے باپ کا نام لینا ضروری ہے، تا کہ تعیین ہو جائے۔

فائدہ: اگر کسی عورت کے دو نام ہوں تو ان میں سے جو مشہور نام ہو وہی لیا جائے، بہتر ہے کہ دونوں نام لئے جائیں۔ (۱)

۲۱۶- **ضابطہ**: اگر اشارہ اور تسمیہ جمع ہوں تو اشارہ کا اعتبار ہوگا۔ (۲)

تفریع: پس ایجاب وقبول کے وقت اگر عورت یا اس کے باپ کے نام میں غلطی ہو جائے تو اگر مجلس نکاح میں عورت موجود ہو اور اس کی طرف اشارہ کر کے نکاح کیا گیا ہو تو نکاح صحیح ہو جائے گا (کیوں کہ یہاں اشارہ اور تسمیہ دونوں جمع ہیں، پس اشارہ کا اعتبار ہوگا)

اور اگر عورت مجلس نکاح میں موجود نہ ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ اشارہ نہ ہونے کی وجہ سے تسمیہ متعین ہو گیا اور تسمیہ غلط ہے۔ (۳)

۲۱۷- **ضابطہ**: ایجاب وقبول کے وقت عاقدین کی مجلس کا متحد ہونا ضروری ہے (۴)

تفریعات:

(۱) پس ٹیلیفون پر ایجاب وقبول سے نکاح صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ ٹیلیفون میں عاقدین کی مجلس ایک نہیں ہوتی ــــــ ہاں اگر ٹیلیفون پر اگر کسی کو وکیل بنایا اور وکیل

← وقال عند الشهود زوجت بنتي منك لم يسم اسم البنت وقال الخاطب قبلت صح وانصرف إلى الفارغة (منحة الخالق على البحر: ۱۵۰/۳)

(۱) ولو كان للمرأة اسمان تزوج بما عرفت به، وفي الظهيرية: والأصح عندي أن يجمع بين الإسمين (البحر الرائق: ۱۵۰/۳) (۲) ہدایہ۔

(۳) غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها لم يصح للجهالة، وكذا لو غلط في اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة وأشار إليها فيصح (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۹۶/۳) (۴) بدائع: ۴۹۰/۲، البحر: ۱۴۸/۳۔

نے ایجاب یا قبول کیا تو نکاح درست ہے، جیسے لڑکے یا لڑکی نے کسی کو ٹیلیفون کیا اور کہا کہ "میرا نکاح فلاں سے کردو" یا ان کے ولی مثلاً باپ نے کہا کہ "میرے لڑکے یا لڑکی کا نکاح فلاں سے کردو" تو اب اگر وکیل نے دو شرعی گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرالیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اس کی تفصیلی صورت یہ ہے کہ: ایک شخص مثلاً خالد برطانیہ میں رہتا ہے، وہ ہندوستان میں ایک لڑکی مثلاً زینب سے نکاح کرنا چاہتا ہے، پس خالد یا اس کا ولی ہندوستان میں ٹیلیفون کرکے کسی کو قبول کرنے کا وکیل بنادے، پھر جب نکاح پڑھانے والا (گواہوں کی موجودگی میں) کہے میں نے زینب بنت فلاں کا نکاح خالد بن فلاں کے ساتھ (جو برطانیہ میں رہتا ہے) کردیا تو اسی مجلس میں خالد کا وکیل کہے: "میں نے اس نکاح کو خالد کیلئے قبول کیا" تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ (۱)

(۲) اگر چلتے چلتے ایجاب وقبول کیا تو نکاح صحیح نہ ہوگا، خواہ پیدل چلے یا جانور پر سوار ہوکر، کیوں کہ اس صورت میں ایجاب وقبول کی مجلس ایک نہیں ہوگی۔

البتہ کشتی کی سواری میں فقہاء نے ایجاب وقبول کو درست قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ کشتی مکان واحد کی طرح ہے اور عاقدین کو اس کے ٹھہرانے کا اختیار نہیں۔ (۲)

یہی علت ریل اور ہوائی جہاز میں بھی پائی جاتی ہے، پس ریل اور ہوائی جہاز میں نکاح درست ہوگا۔

۲۱۸- **ضابطہ**: ایجاب وقبول کے درمیان کوئی بھی ایسا فعل پایا جائے جو اعراض پر دلالت کرتا ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔ (۳)

---

(۱) فتاوی محمودیہ: ۱۰/۶۸۰۔ (۲) فلو عقدا وهما يمشيان ويسيران على الدابة لايجوز، وإن كانا على سفينة سائرة جاز (البحر الرائق: ۳/۱۴۸)

(۳) شامی: ۴/۷۶۔

جیسے کھانا، پینا، باتوں میں مشغول ہو جانا، مجلس سے کھڑا ہو جانا وغیرہ۔ اگر ایجاب و قبول کے دوران (یعنی ایجاب کے بعد، قبول سے پہلے) قبول کرنے والے کی طرف سے یہ باتیں پائی گئیں تو نکاح نہ ہوگا، کیوں کہ ان چیزوں سے مجلس بدل جاتی ہے، جبکہ ایجاب و قبول کی مجلس ایک ہونی ضروری ہے۔[1]

۲۱۹- **ضابطہ**: ایجاب و قبول میں ظاہری الفاظ کا اعتبار ہے، رضامندی شرط نہیں۔[2]

تفریعات:

(۱) پس اگر کسی کو ڈرا دھمکا کر زبردستی ایجاب یا قبول کروایا تو نکاح ہو گیا، جیسے کسی مرد یا عورت سے کہا کہ تم مجھ سے، یا فلاں سے نکاح کر لو ورنہ جان سے مار ڈالوں گا، اس نے ڈر کے مارے قبول کر لیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

(۲) اسی طرح ہنسی مذاق میں بھی ایجاب و قبول صحیح ہو جاتا ہے، جیسے مرد نے (دو گواہوں کی موجودگی میں) عورت سے مذاقاً کہا: ”میں نے تم سے نکاح کر لیا“ عورت نے بھی ہنسی میں کہا: ”میں قبول کرتی ہوں“ تو نکاح منعقد ہو جائے گا، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ“: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی سنجیدگی ہے اور ہنسی مذاق بھی سنجیدگی ہے، وہ: نکاح، طلاق اور رجعت ہیں۔[3]

---

(۱) فلو اوجب احدهما فقام الآخر او اشتغل بعمل آخر بطل الإيجاب، لأن شرط الارتباط اتحاد الزمان فجعل المجلس جامعا تيسيرا (شامی: ۴/۷۶)

(۲) إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح (شامی: ۴/۸۶)

(۳) فیض القدیر: ۶/۴۷۸، رقم الحدیث: ۳۴۵۱۔

نکاح کی شرطوں کا بیان

۲۲۰- **ضابطہ**: نکاح میں کسی قسم کی تعلیق صحیح نہیں۔[1]

تشریح: پس اگر نکاح کو کسی وقت یا جگہ یا فعل پر یا کسی (دوسرے شخص) کی رضامندی اور اجازت پر معلق کیا تو نکاح درست نہ ہوگا، مثلاً کسی نے کہا کہ جب فلاں وقت آجائے تیرے ساتھ نکاح منظور ہے یا فلاں جگہ میں منظور ہے یا میرا فلاں کام ہو جائے تو قبول ہے یا میرے والد اگر راضی ہو جائیں یا اجازت دیدیں تو نکاح قبول ہے ان سب صورتوں میں نکاح صحیح نہ ہوگا،[2] کیوں کہ ان صورتوں میں ایجاب وقبول سے انعقاد نکاح فوراً معلوم نہیں ہوتا، جبکہ شرط یہ ہے کہ زوجین کی طرف سے جب (اصالۃً یا وکالۃً) ایجاب وقبول پایا جائے تو فوراً بلا تاخیر اسی مجلس میں نکاح منعقد ہو جانا چاہئے۔

استدراک: لیکن اگر زمانہ ماضی کے کسی امر پر نکاح کو معلق کیا تو صحیح ہے، کیوں کہ ماضی متعین اور معلوم الحال ہے، جیسے زید نے اپنے لڑکے کا پیغام خالد کی لڑکی کو دیا، خالد نے کہا میں نے اپنی اس لڑکی کا نکاح فلاں سے کر دیا ہے، زید نے اس کی تکذیب کی یعنی اس نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، خالد نے کہا اگر میں نے اپنی لڑکی کا نکاح فلاں سے نہ کیا ہو تو تمہارے لڑکے سے کر دیا، لڑکے کے باپ (زید) نے کہا مجھے منظور ہے یعنی قبول کر لیا اور حقیقت میں اس لڑکی کا نکاح کہیں نہیں ہوا تھا تو زید کے لڑکے سے نکاح ہو جائے گا۔[3]

---

(۱) ان النكاح المعلق بالشرط لا يصح (شامی: ۱۵۱/۴، ہندیہ: ۱/۲۷۳)

(۲) كتزوجتك إن رضي أبي لم ينعقد النكاح لتعليقه بالخطر...... ولا يصح إضافته إلى المستقبل كتزوجتك غداً أو بعد غد لم يصح (الدر المختار: ۱۵۱/۴، ہندیہ: ۱/۲۷۳) (۳) إلا أن يعلقه بشرط ماض كائن لا محالة فيكون تحقيقاً فينعقد في الحال، كأن خطب بنتاً لابنه فقال أبوها زوجتها قبلك من فلان فكذبه ←

اسی طرح کسی کی رضامندی یا اجازت پر نکاح کو معلق کرنے سے نکاح نہیں ہوتا، لیکن جس کی رضامندی پر نکاح معلق کیا ہے وہ مجلس نکاح میں موجود ہو اور راضی ہو جائے تو استحساناً نکاح صحیح ہو جائے گا، جیسے کہا: اگر میرے والد راضی ہو تو نکاح قبول ہے اور اس کے والد مجلس نکاح میں موجود تھے اور انہوں نے رضامندی ظاہر کردی تو استحساناً نکاح ہو جائے گا اور اگر موجود نہ ہوں تو نکاح نہ ہوگا اگرچہ وہ راضی ہو جائیں۔ (۱)

۲۲۱- **ضابطہ:** نکاح میں شرط باطل خود باطل ہو جاتی ہے اور عقد صحیح ہو جاتا ہے۔ (۲)

جیسے مرد نے کہا: میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ مجھ پر نفقہ کی ذمہ داری نہیں ہوگی یا ایک متعین مقدار سے نفقہ دوں گا یا ہم دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے؛ یا عورت نے کہا: میں نے نکاح کیا اس شرط پر کہ تو میری موجودگی میں کسی اور عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا موجودہ بیوی کو طلاق ہے وغیرہ تو ایسی شرط کا کوئی اعتبار نہیں وہ شرط کالعدم ہے۔ پس شوہر پر اس کی استطاعت کے مطابق نفقہ دینا لازم ہوگا، اور میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اور میاں دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور موجودہ بیوی کو طلاق نہیں ہوگی۔ (۳)

← فقال :إن لم آكن زوجتها لفلان فقد زوجتها لإبنك فقبل،ثم علم كذبه انعقد لتعليقه بموجود (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۴/۱۵۱)

(۱) وكذا إذا وجد المعلق عليه في المجلس (الدرالمختار) في الخانية :ذكر بعد ذالك مسألة التعليق برضا فلان، فقال :إن كان فلان حاضراً في المجلس ورضي جاز استحساناً ،وإلافلا وإن رضي (شامی:۴/۱۵۲)(۲)ولكن لايبطل النكاح بالشروط الفاسد وإنما يبطل الشرط دونه (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۴/۱۵۲)(۳) رجل تزوج امرأة على أن ينفق عليها في كل شهر ماة دينار قال أبو حنيفة رحمه الله تعالیٰ : النكاح جائز ولها نفقة مثلها بالمعروف —رجل تزوج امرأة على ألف درهم على أن لايرثه ولايرثها جاز النكاح ويتوارثان (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ:۱/۳۳۱)

اسی طرح اگر عاقدین میں سے کسی نے کہا کہ میں نکاح قبول کرتا ہوں اس شرط پر کہ اس نکاح کو باقی رکھنے یا نہ رکھنے پر میرے والد کو اختیار ہوگا تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس کے والد کو کچھ اختیار نہیں ملے گا۔ (۱)

اسی طرح اگر مرد نے کہا: میں نے اس عورت سے نکاح کیا اس شرط پر کہ اسے طلاق ہے یا اس شرط پر کہ طلاق کا امر اس کے اختیار میں ہے یعنی وہ جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل ہو جائے گی، یعنی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ اس کے لئے اختیار ہوگا، امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں ایسا ہی لکھا ہے۔ لیکن فقیہ ابوالليثؒ فرماتے ہیں یہ حکم اس صورت میں ہے جب شرط لگانا مرد کی طرف سے ہو یعنی مرد نے شرط لگائی ہو اور اگر شرط عورت کی جانب سے ہو، جیسے عورت نے کہا: میں نے نکاح کیا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہے یا طلاق کا امر میرے اختیار میں ہے، مرد نے کہا: میں نے قبول کیا تو نکاح ہو جائے گا اور عورت پر طلاق پڑ جائے گی اور اس کو طلاق کا اختیار ہوگا جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے، اس اختیار کو مرد واپس نہیں لے سکتا۔ (۲)

---

(۱) وفی فتاویٰ ابی اللیث تزوج امرأة علی أن أباه بالخیار صح النکاح ولاخیار (ھندیہ: ۲۷۳) (۲) رجل تزوج امرأة علی انها طالق أو علی أن أمرها فی الطلاق بیدها ذکر محمد رحمه الله تعالیٰ فی الجامع أنه یجوز النکاح والطلاق باطل ولایکون الأمر بیدها وقال الفقیه أبو اللیث رحمه الله تعالیٰ هذا إذا بدأ الزوج فقال تزوجتك علی أنك طالق وإن ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك علی انی طالق أوعلی أن یکون الأمر بیدی اطلق نفسی کلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النکاح ویقع الطلاق ویکون الأمر بیدها ..ولو قال العبد لمولاه إذا تزوجتها فأمرها بیدك ابداً ثم تزوجها یکون الأمر بید المولیٰ ولایمکن اخراجه ابداً کذا فی فتاویٰ قاضی خاں (ہندیہ: ۱/۲۷۳، فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ: ۱/۳۲۹)

ملحوظہ: یہ آخری مسئلہ ان عورتوں کے لئے غنیمت ہے جو محض حلالہ کے لئے نکاح کرنا چاہتی ہوں اور خطرہ ہو کہ زوج ثانی نکاح کے بعد طلاق نہیں دے گا۔

تنبیہ: نکاح وطلاق میں تعلیق کے اعتبار سے دو مسئلے الگ الگ ہیں:

۱- مرد عورت سے کہے: ''میں نے تجھ سے نکاح کیا اس شرط پر کہ میری موجودہ بیوی کو طلاق ہے'' تو نکاح ہو جائے گا اور طلاق نہیں پڑے گی، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اس لئے کہ اس صورت میں طلاق کو شرط قرار دیا ہے اور نکاح مشروط ہے اور یہ شرط مرد کی طرف سے پائی نہیں گئی ہے اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی، رہا نکاح تو وہ شرط باطل کے ساتھ ہو جاتا ہے، اس لئے نکاح ہو جائے گا۔

۲- مرد کہے: ''اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو میری موجودہ بیوی کو طلاق'' تو نکاح بھی ہو جائے گا اور طلاق بھی پڑ جائے گی، اس لئے کہ یہ تعلیق ہے پس نکاح پائے جانے پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ (پس ان دونوں مسئلوں کا فرق اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے)[1]

۲۲۲- **ضابطہ**: نکاح میں خیار رویت اور خیار عیب کی گنجائش نہیں۔[2]

تفریع: پس اگر مرد یا عورت میں سے کسی نے کہا کہ میں نے نکاح قبول کیا مگر شرط یہ ہے کہ عورت میں کوئی عیب یا نقص (مثلاً اندھا ہونا، بہرہ ہونا، یا بدصورت ہونا، یا پردۂ بکارت ٹوٹ ہوا ہونا وغیرہ) بالکل نہ ہو؛ تو نکاح درست ہو جائے گا، پھر اگر کوئی عیب یا نقص پایا جائے تو اسے کوئی اختیار نہیں ملے گا۔

البتہ اگر شوہر مقطوع الذکر یا نامرد یا خصی ہو یعنی جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو تو عورت کو اختیار ملے گا کہ اگر وہ چاہے تو قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرا سکتی ہے، ان کے

(۱) فلو قال المرأة اللتی أتزوجها طالق تطلق بتزوجها (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴/۵۹۴)

(۲) ولا یثبت فی النکاح خیار الرؤیۃ والعیب (ہندیہ: ۱/۲۷۳)

علاوہ باقی صورتوں میں اختیار نہ ہوگا۔[1]

نکاح میں گواہی کا بیان

۲۲۳- **ضابطہ**: ہر وہ مسلمان جو اپنی ذات پر ولایت رکھتا ہے نکاح میں گواہ بن سکتا ہے اور جو ایسا نہیں اس کا گواہ بننا صحیح نہیں۔

تفریع: پس نابالغ، مجنون، غلام، مکاتب اور کافر کا نکاح میں گواہ بننا صحیح نہیں ـــــ اور عورت اور فاسق آدمی کا حتی کہ محدود فی القذف کا گواہ بننا صحیح ہے، کیوں کہ ان کو اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ گواہی کے تعلق سے نکاح میں دو باتیں ہیں: انعقاد نکاح اور اثبات نکاح۔ انعقاد کا حکم اوپر مذکور ہوا کہ کس کو گواہ بنانا درست ہے اور کس کو نہیں، رہا اثبات کا حکم تو وہ نکاح کے انکار کے وقت ہے یعنی جب مرد یا عورت میں سے کوئی نکاح کا انکار کرے یا کوئی اور شخص انکار کرے تو اس وقت قاضی کی عدالت میں گواہی صرف ان ہی لوگوں کی قبول ہوگی جن کی گواہی باقی احکامات میں قبول ہوتی ہے، پس اندھوں کی گواہی، عاقدین کے رشتے داروں کی گواہی، فاسقوں اور محدود فی القذف کی گواہی معتبر نہ ہوگی، اگرچہ ان تمام کی گواہی انعقاد نکاح میں معتبر ہے۔ بدائع میں ہے کہ انعقاد نکاح میں اندھے، فاسق وغیرہ کی گواہی اس لئے معتبر ہے کہ وہاں مقصد زنا کی تہمت کو دور کرنا اور نکاح کی تشہیر کرنا ہے (نہ کہ جحود وانکار کے وقت عقد نکاح کی حفاظت کرنا) اور یہ مقصد ان مذکورہ لوگوں کے حاضر ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے، اگرچہ باقی احکام میں ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔[3]

---

(۱) إلا إذا کان العیب هو الجب والخصا والعنة فإن المرأة بالخیار وهذا عند أبی حنیفة وأبی یوسف رحمه الله تعالیٰ (ہندیہ: ۱/۲۷۳)

(۲) والأصل ان کل من صلح ان یکون ولیاً فیه بولایة نفسه صلح ان یکون شاهداً فیه (شامی: ۴/۹۴) (۳) البحر الرائق: ۳/۱۵۸۔

ولایت نکاح کا بیان

۲۲۴-ضابطہ: نکاح میں ولایت کی ترتیب وہی ہے جو ترکہ میں عصبات کی ہے۔[۱]

تشریح: پس ترتیب اس طرح ہوگی: سب سے پہلے بیٹے کو ولایت حاصل ہے، پھر پوتے کو پھر پر پوتے کو نیچے تک۔ اس کے بعد باپ کو ولایت حاصل ہے، پھر دادا کو پھر پردادا کو اوپر تک۔ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو میت کا سگا بھائی مستحق ہے، پھر باپ شریک بھائی، پھر ان کی اولاد اسی ترتیب سے۔ یہ لوگ نہ ہوں تو میت کا سگا چچا، پھر سوتیلا چچا یعنی باپ کا سوتیلا بھائی، پھر ان کی اولاد اسی ترتیب سے۔ اگر ان میں سے بھی کوئی نہ ہو تو میت کے باپ کا چچا ولی ہوگا، پھر اس کی اولاد۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو دادا کا چچا، پھر اس کی اولاد مستحق ہے۔ یہ حضرات بھی نہ ہوں تو پھر ماں ولیہ ہوگی، اس کے بعد دادی، پھر نانی، پھر حقیقی بہن، پھر علاتی بہن، پھر اخیافی (یعنی صرف ماں شریک) بھائی بہن، پھر ان کی اولاد، پھر ذوات الارحام میں سے پھوپیاں پھر ماموں، پھر خالہ وغیرہ۔[۲]

اگر مذکورہ بالا رشتہ داروں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو اخیر میں امیر و خلیفہ کو ولایت حاصل ہوگی یا اس قاضی کو جسے ولایت نکاح سپرد کی گئی ہے، پھر نائب قاضی کو جسے قاضی نے اختیار دیا ہے۔[۳]

فائدہ: ولایت کی مذکورہ ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ اگر ولی قریب موجود نہ ہو تو بعد کے ولی کی طرف ولایت منتقل ہو جائے گی۔ اور اگر ولی قریب کی موجودگی میں کسی اور

(۱) والولی العصبة المراد بنفسه ..علی ترتیب الإرث والحجب (شرح الوقایہ: ۲/۲۲) وترتیب العصبات فی ولایة النکاح کالترتیب فی الإرث (ہدایہ: ۲/۳۱۶)

(۲) شرح الوقایہ: ۲/۲۲، اللباب فی شرح الکتاب: ۲/۱۲۷۔

(۳) ثم السلطان ثم القاضی ومن نصبه القاضی، کذا فی المحیط (ہندیہ: ۱/۲۸۴)

ولی نے نکاح کردیا تو وہ نکاح ولی قریب کی اجازت پر موقوف رہے گا۔[۱]

۲۲۵- **ضابطہ**: ولایت اجبار کا مدار صغر پر ہے اور وہ صرف باپ دادا کو حاصل ہوتی ہے۔[۲]

تشریح: پس بالغ پر کسی کو ولایت اجبار حاصل نہیں، اگرچہ بالغہ باکرہ ہو ــــــ اور نابالغ پر صرف باپ داد کو ولایت اجبار حاصل ہے، اولاً باپ کو حاصل ہے پھر دادا کو ان کے علاوہ کسی کو یہ ولایت حاصل نہیں۔

فائدہ: ولایت اجبار کا مطلب یہ ہے کہ صغیر وصغیرہ راضی ہوں یا نہ ہوں ہر صورت میں باپ دادا کا کیا ہوا نکاح ہو جائے گا، اور بلوغ کے بعد ان کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے نکاح کرایا، یا باپ دادا نے از خود نکاح نہیں کرایا بلکہ بذریعہ وکیل کرایا تو اس صورت میں صغیر اور صغیرہ کو بلوغ کے بعد اختیار حاصل ہوگا، یعنی اگر منظور ہو تو نکاح باقی رکھیں ورنہ قاضی کے ذریعہ فسخ کرادیں۔[۳]

حرمت رضاعت کا بیان

۲۲۶- **ضابطہ**: رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔[۴]

---

(۱) وللولي الأبعد التزويج بغيبة الأقرب فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب توقف على إجازته (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۴/۱۹۹)

(۲) فإن زوجهما الأب أو الجد فلاخيار لهمابعد بلوغهما، وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ (اللباب:۲/۱۴۶)

(۳) المزوج بنفسه، احترز عما إذا وكل وكيلا بتزويجها (شامی:۳/۱۷۱)

(۴) ہندیہ:۱/۳۴۳، الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۳/۲۰۲۔

وہ رشتے یہ ہیں:

۱-رضاعی ماں باپ اوران کے اصول یعنی رضاعی دادا، دادی نانا، نانی اوپر تک۔

۲-رضاعی اولاد اوران کے فروع نیچے تک۔

۳-رضاعی بہن اوراس کی اولاد نیچے تک۔

۴-رضاعی پھوپی اورخالہ (مگران کی اولاد حلال ہے جیسا کہ نسب میں ہے)

۵-رضاعی باپ کی بیوی۔

۶-رضاعی بیٹے کی بیوی۔

مگر یہ رشتے مستثنیٰ ہیں:

۱-رضاعی بھائی کی حقیقی بہن؛ حقیقی بھائی کی رضاعی بہن؛ اوررضاعی بھائی کی دوسری ماں سے رضاعی بہن؛ ان تینوں سے نکاح جائز ہے۔ (۱)

۲-رضاعی بھائی وبہن کی حقیقی ماں؛ حقیقی بھائی وبہن کی رضاعی ماں؛ اوررضاعی بھائی بہن کی دوسری رضاعی ماں؛ ان تینوں سے بھی نکاح جائز ہے۔ (۲)

۳-رضاعی بیٹے کی حقیقی بہن؛ حقیقی بیٹے کی رضاعی بہن؛ اوررضاعی بیٹے کی دوسری

---

(۱) (وتحل اخت اخيه رضاعاً) يصح اتصاله بالمضاف كان يكون له اخ نسبي له اخت رضاعية وبالمضاف إليه كان يكون لأخيه رضاعاً اخت نسبياً وبهما، وهو ظاهر (درمختار) وهو ظاهر كان يكون له اخ رضاعي رضع مع بنت من امرأة اخرى (شامی:۴/۴۱۰)

(۲) (وام اخت) صادق بان يكون كل منهما من الرضاع كان يكون لك اخت من الرضاع لها ام اخرى من الرضاع ارضعتها وحدها، وبان تكون الأخت فقط من الرضاع لها ام نسبية، وبان تكون الأم فقط من الرضاع كان تكون لك اخت نسبية لها ام رضاعية بخلاف النسبية لأنها إما أمك او حليلة ابيك...... (وام اخ) الكلام فيه ككلام في ام الأخت. (شامی:۴/۴۰۵)

ماں سے رضاعی بہن: ان تینوں سے بھی نکاح جائز ہے۔[۱]

۳۔ حقیقی پوتے کی رضاعی ماں: رضاعی پوتے کی حقیقی ماں؛ اور رضاعی پوتے کی دوسری رضاعی ماں: ان تینوں سے بھی نکاح جائز ہے۔[۲]

نوٹ: حقیقی بیٹے کی رضاعی ماں اور رضاعی بیٹے کی حقیقی ماں سے بھی نکاح جائز ہے، مگر چونکہ بیٹے کی ماں سے نکاح نسب میں بھی جائز ہے اس لئے مستثنیات میں اس کو ذکر نہیں کیا جاتا۔[۳]

۵۔ رضاعی چچا کی ماں: رضاعی ماموں کی ماں: رضاعی پھوپی اور رضاعی خالہ کی ماں: ان چاروں سے بھی نکاح جائز ہے۔[۴]

پس نسبی رشتوں میں یہ سب محرمات میں سے ہیں، مگر رضاعت میں ان سے نکاح جائز ہیں، کیوں کہ ان میں علت حرمت نہیں پائی جاتی۔

نوٹ: یہ سب رشتے مرد کی جانب سے بیان کئے گئے ہیں، عورت کی جانب سے بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

۳۲۷۔ **ضابطہ**: حرمت کا تعلق مدت رضاعت (ڈھائی سال) میں دودھ پینے سے ہے، اس کے بعد نہیں۔[۵]

تشریح: پس اگر کسی نے مدت رضاعت جو کہ مفتی بہ قول کے مطابق ڈھائی سال

---

(۱) وقس علیه أخت ابنه وبنته.....الخ (الدر المختار: ۴/۴۰۸)

(۲) وتقدم أن كل صورة من هذه السبع تتفرع إلى ثلاث صور : فولد ولدك إذا كان نسبياً وله أم من الرضاع تحل لك، بخلاف أمه من النسب لأنها حليلة ابنك وإن كان رضاعيا بأن رضع من زوجة ابنك ولهذا الرضيع أم نسبية أو رضاعية أخرى تحل لك (شامی: ۴/۴۰۵) (۳) واحترز بجدة الولد عن أم الولد لأنها حلال من النسب وكذا من الرضاع (شامی: ۴/۴۰۵) (۴) وأم خال وعمة.....الخ (درمختار) فيه الصور الثلاث...... الخ (شامی: ۴/۴۰۶) (۵) بدائع الصنائع: ۳/۴۰۴۔

ہے کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی (مگر مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں)[۱]

تفریع: اگر شوہر بیوی کا دودھ پی لے تو نکاح نہیں ٹوٹے گا، البتہ شوہر کو عورت کا دودھ پینا حرام ہے۔[۲]

ایک نادر صورت: اگر شوہر ڈھائی سال سے کم عمر کا بچہ ہو، اور وہ اپنی بیوی کا دودھ پی لے جو اس کے سابق شوہر سے بچہ جننے کی وجہ سے اترا ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور نکاح ٹوٹ جائے گا۔[۳]

۲۲۸- **ضابطہ**: حرمت کے لئے دودھ کا اپنی اصلی حالت پر ہونا ضروری ہے[۴]

تفریعات:

(۱) پس اگر دودھ کی دہی یا پنیر بنادی، پھر کھلایا تو حرمت ثابت نہ ہوگی، کیوں کہ ان چیزوں پر دودھ کا اطلاق نہیں ہوتا۔[۵]

(۲) اسی طرح اگر دودھ کو روٹی یا ستو وغیرہ میں ملا کر کھلایا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرمت ثابت نہ ہوگی خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب، کیوں کہ سیال چیز جب جامد کے ساتھ مل جاتی ہے تو مشروبیت سے خارج ہو جاتی ہے۔[۶]

---

(۱) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۹۳/۴۔ (۲) ولم یبح الإرضاع بعد مدته...... حرام علی الصحیح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۹۷/۴)

(۳) مص رجل ثدی زوجته لم تحرم (درمختار) قید به احترازاً عما إذا کان الزوج صغیراً فی مدة الرضاع فإنها تحرم علیه (شامی: ۴۲۱/۴)

(۴) مستفاد شامی: ۴۱۳/۴، بدائع: ۴۰۸/۳۔ (۵) فی البحر: ولو جعل اللبن مخیضاً أو رائباًاو شیرازاً او جبناً او اقطاراً او مصلاً فتناوله الصبی لاتثبت به الحرمة، لأن اسم الرضاع لایقع علیه (شامی: ۴۱۳/۴)

(۶) وإن کانت النار لم تمسه فإن کان الطعام غالباً لم تثبت الحرمة به ←

۲۲۹- **ضابطہ**: منہ اور ناک کے علاوہ کسی اور راستہ سے پیٹ میں دودھ جائے تو اس کا اعتبار نہیں (حرمت ثابت نہ ہوگی)

جیسے اگر دودھ کان میں ٹپکایا؛ یا عضو مخصوص کے سوراخ میں ڈالا؛ یا حقنہ کیا یعنی پاخانہ کے راستہ سے معدہ تک پہنچایا؛ یا انجکشن کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں پہنچایا تو ان تمام صورتوں میں حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ (۱)

حرمت مصاہرت کا بیان

۲۳۰- **ضابطہ**: حرمت مصاہرت نکاح صحیح سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ نکاح فاسد و باطل سے۔ (۲)

تشریح: یعنی نکاح صحیح میں (نکاح ہوتے ہی) حرمت ثابت ہو جاتی ہے (اگرچہ بغیر وطی اور خلوت کے فوراً طلاق دیدے) اور نکاح فاسد و باطل (یعنی وہ نکاح جس میں رکن نہ ہو یا شرط فاسد ہو) سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، پس ایسے نکاح سے مرد پر عورت کی ماں وغیرہ حرام نہ ہوں گی، اسی طرح عورت کے لئے بھی مرد کے اصول وفروع حرام نہ ہوں گے۔

البتہ نکاح فاسد و باطل کے بعد وطی پائی جائے یا دواعی وطی (مس بالشہوت یا نظر

← أيضا وإن كان اللبن غالباً فكذالك عند ابى حنيفة لأنه إذا خلط المائع بالجامد صار المائع تبعاً فخرج من ان يكون مشروباً (ہندیہ: ۳۴۴/۱، اللباب علی ہامش الجوہرة: ۳۶/۲)

(۱) ويثبت به......وإن قل إن علم وصوله لجوفه من فمه أو انفه لاغير...... ولاالإحتقان والإقطار فى الأذن وإحليل وجائفة وآمة......الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۹۹/۴-۴۱۳- ہندیہ: ۳۴۴/۱)

(۲) وتثبت بالحرمة المصاهرة بالنكاح الصحيح دون الفاسد (ہندیہ: ۲۷۴/۱)

بالشہوت) کا ارتکاب کیا جائے تو پھر اس وطی یا دواعی وطی سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، جیسا کہ زنا و دواعی زنا سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ (۱)

۲۳۱- ضابطہ: حرمت مصاہرت کے ثبوت میں رضامندی اور اختیار شرط نہیں (۲)

تفریعات:

(۱) پس اگر کسی نے غلط فہمی میں بیوی کی بجائے جوان بیٹی کو شہوت کے ساتھ چھولیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اور اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔

(۲) مرد نے عورت کو جماع کے لئے بیدار کرنا چاہا اور ہاتھ خطا کر گیا اور قریب میں لیٹی ہوئی اس کی بیٹی پر شہوت کے ساتھ (اس کے کھلے بدن پر) اس کا ہاتھ پڑ گیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو کر میاں بیوی ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گے۔ (۳)

(۳) کسی شخص کا زبردستی ڈرا دھمکا کر نکاح کراوایا گیا تو اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ (زنا و دواعی زنا کا بھی یہی حکم ہے)

۲۳۲- ضابطہ: حرمت مصاہرت میں اختلاف کے وقت شوہر کا قول معتبر ہے۔ (۴)

جیسے اگر خسر اور بہو دونوں نے زنا کرنے کا اقرار کیا اور شوہر انکار کرتا ہے؛ یا صرف عورت کہتی ہے کہ میرے خسر نے میرے ساتھ ناجائز کام کیا، لیکن شوہر اسے تسلیم نہیں کرتا؛ یا تنہا باپ کہتا ہے کہ میں نے تیری بیوی کے ساتھ ایسا ایسا کیا اور شوہر اس بات سے اختلاف کرتا ہے؛ یا کسی اجنبی آدمی نے ایسی کوئی گواہی دی اور شوہر اسے صحیح

(۱) فلو تزوجها نكاحاً فاسداً لاتحرم عليه أمها بمجرد العقد بل بالوطء (ہندیہ: ۱/۲۷۴) (۲) مستفاد شامی: ۴/۱۱۲، ہندیہ: ۱/۲۷۴۔ (۳) (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴/۱۰۷) (۴) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴/۱۱۴۔

نہیں مان رہا، بلکہ اس کو کوئی سازش سمجھتا ہے؛ تو ان تمام صورتوں میں شوہر کا قول معتبر ہوگا اور بیوی اس پر حرام نہ ہوگی۔ (۱)

ہاں اگر شوہر بھی تسلیم کرلے، یا اس کے غالب گمان میں اس فعل کے واقع ہونے کی سچائی واضح ہوجائے، یا دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی گواہی دیں، تو پھر ان صورتوں میں عورت شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی۔ (۲)

نوٹ: محرمات سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

طلاق کا بیان

۲۳۳- **ضابطہ**: غیر مدخولہ کے لئے ہر طلاق بائن ہوتی ہے خواہ صریح لفظ سے ہو یا کنایہ سے۔ (۳)

تشریح: کیوں کہ غیر مدخولہ کے لئے عدت نہیں، وہ طلاق دیتے ہی بائنہ ہوجاتی ہے خواہ کوئی سی طلاق ہو۔

فائدہ: اگر غیر مدخولہ کو تین طلاقیں ایک ساتھ دیدیں، یعنی کہا: ''تجھے تین طلاق'' تو یہ طلاق بائن غلیظہ ہوگی، اور تین سے کم میں بائن خفیفہ ہوگی —— اور اگر غیر مدخولہ کو الگ الگ لفظوں میں تین طلاقیں دیں، یعنی کہا: طلاق، طلاق، طلاق تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی، کیوں کہ اس پر عدت نہیں جس کی وجہ سے وہ پہلی طلاق ہی سے

---

(۱) بأن يصدقها ويقع في أكبر رأيه صدقها، وعلى ذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لاتحرم على ابيه وابنه إلا أن يصدقها أو يغلب على ظنه صدقها (البحر الرائق: ۱۷۷/۳) (۲) ونصابها للزنا أربعة رجالٍ.. ولوعلق عتقه بالزنا وقع برجلين ولاحد......ولغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالاأوغيره كنكاح وطلاق ووكالة......رجلان......أو رجل وامرأتان (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹۱/۱۱ تا ۹۸)

(۳) مستفاد ھدایہ: ۳۷۱/۲۔

نکاح سے نکل گئی اور محل طلاق نہیں رہی اس لئے دوسری اور تیسری طلاق لغو ہو جائے گی۔ برخلاف مدخولہ کے کہ اس پر عدت ہے اور عدت من وجہ نکاح کے حکم میں ہے، اس لئے اس پر (یکے بعد دیگرے) تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ [۱]

۲۴۴- **ضابطہ**: طلاق میں نیت کا اعتبار نہیں، نسبت کا اعتبار ہے۔ [۲]

تفریعات:

(۱) پس اگر طلاق دینے میں نسبت کسی اور طرف کی، بیوی کی طرف نہیں کی؛ یا (بغیر اشارہ کئے ہوئے) بیوی کا نام بدل کر طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ [۳]

(۲) اسی طرح طلبہ (یا بیوی) کو مسائل طلاق پڑھاتے ہوئے کہا: ایک آدمی کہتا ہے: "میری بیوی کو طلاق" تو طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ کہنے والی کی بیوی کی طرف نسبت نہیں ہے۔ [۴]

(۳) لیکن اگر بیوی کو مذاقاً طلاق دی، یا کسی نے زبردستی اس سے طلاق کہلوائی، یا شوہر اپنی بیوی کو یہ کہنے جا رہا تھا کہ تو حیض والی ہے اور غلطی سے نکل گیا: "تو طلاق والی ہے" یا کوئی ذکر کرنا چاہ رہا تھا کہ اس کی زبان سے انت طالق (تو طلاق والی ہے) نکل گیا تو ان تمام صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ یہاں اگرچہ طلاق کی نیت نہیں ہے، مگر بیوی کی طرف نسبت موجود ہے اور اعتبار نسبت

---

(۱) وإذا طلق الرجل امرأته قبل الدخول بها ثلاثاً وقعن عليها...... فإن فرق الطلاق كان يقول لها: أنت طالق، طالق، طالق بانت بالأولى ولم تقع الثانية، لأن كل واحدة إيقاع على حدة وليس لها عدة، فإذا بانت بالأول صادفها الثاني وهي أجنبية (اللباب في شرح الكتاب: ۱۷۶/۲)

(۲) صريح لايحتاج إلى النية (شامی: ۴۴۸/۴) لايقع أصلاً مالم يقصد زوجته (شامی: ۴۶۱/۴، البحر: ۵۱/۳) (۳) لو حلف لدائنيه بطلاق امرأته فلانة واسمها غيره لاتطلق (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۵۲۲/۴) (۴) شامی: ۴۶۱/۴، البحر: ۵۱/۳۔

کا ہے، نیت کا نہیں۔[1]

ملحوظہ: مگر یاد رہے کہ سبقت لسانی (خطا) کی صورت میں طلاق کا فیصلہ صرف قضاءً ہوگا، دیانۃً نہیں (پس جب یہ مسئلہ مفتی کے پاس آئے تو وہ عدمِ طلاق کا فتویٰ دے گا، جبکہ قاضی وقوعِ طلاق کا فیصلہ کرے گا)[2] اس کے برخلاف مذاقاً وکرہاً طلاق دینے سے قضاءً ودیانۃً دونوں طرح سے طلاق واقع ہوجائے گی، کیوں کہ مذاق اور اکراہ میں آدمی طلاق کا تلفظ اپنے اختیار وارادے سے کرتا ہے، اگرچہ اس کے حکم پر راضی نہیں ہوتا، جبکہ خطاء میں طلاق کا تلفظ آدمی اپنے اختیار وارادے سے نہیں کرتا۔[3]

تنبیہ: اگر کسی نے بیوی کی طرف اشارہ کئے بغیر اور نام لئے بغیر صرف یہ کہا: طالق (طلاق والی ہے) یا یہ کہا: طلقتُ (میں نے طلاق دی) تو اس سے طلاق واقع ہوجائے گی، اس لئے کہ اگرچہ اس میں صراحتاً بیوی کی طرف نسبت نہیں ہے، مگر معنیً (حکماً) نسبت ہے، اور وہ اس طرح کہ آدمی عادتاً اپنی بیوی ہی کو طلاق دیتا ہے، غیر کو نہیں دیتا، پس یہاں بیوی کی طرف نسبت حکماً مراد لی جائے گی۔ البتہ اگر شوہر انکار

---

(۱) یقع طلاق کل زوج إذا کان بالغا عاقلا سواء کان حراً أو عبداً طائعاً أو مکرھاً...... وطلاق اللاعب والھازل به واقع، وکذالك لو أراد أن یتکلم بکلام فسبق لسانه باطلاق فالطلاق واقع (ہندیہ: ۱/۳۵۳) بان أراد أن یقول سبحان الله فجری علی لسانه أنت طالق تطلق، لأنه صریح لایحتاج إلی النیة (شامی: ۴/۴۴۸)

(۲) مگر غیر اسلامی ملک میں مفتی بھی وقوعِ طلاق کا فتویٰ لکھے گا، کیونکہ وہاں قاضی نہیں ہوتا، اس لئے عورت کے لئے چارہ جوئی کا موقع نہیں ہے، پس مفتی قاضی کی قائم مقامی کرے گا ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۳) فا فترقا. عمالو سبق لسانه......فإنه یقع قضاءً فقط ......وأما الھازل فیقع طلاقه قضاء ودیانة، لأنه قصد السبب عالماً بانه سبب فرتب الشرع حکمه علیه أراده......الخ (شامی: ۴/۴۶۲)

کرے اور کہے: میں نے اپنی بیوی کی طلاق مراد نہیں لی اور نہ میں نے اس کو طلاق دی ہے تو دیانۃً طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (۱)

۲۲۵- **ضابطہ**: محض نیت کرنے سے یا دل دل میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جب تک کہ زبان سے تلفظ نہ کرے۔ (۲)

تفریعات:

(۱) پس اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے رہا تھا اور دو دفعہ کہہ چکا تھا، مگر تیسری دفعہ جب اس نے طلاق کا لفظ کہنا چاہا تو ایک شخص نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ تیسری طلاق نہیں کہہ سکا تو اس صورت میں دو طلاق واقع ہوں گی اور تیسری کا تلفظ نہیں ہوا اس وجہ سے وہ واقع نہ ہوگی، رہا دل میں کہنا یا نیت کرنا تو اس کا اعتبار نہیں۔

(۲) اسی طرح کسی شخص کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا اور طلاق کی نیت سے اس نے بیوی کو تین کنکریاں دیدیں اور زبان سے کچھ نہیں کہا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲۲۶- **ضابطہ**: طلاق میں اعتبار ظاہری الفاظ کا ہے، رضامندی کا نہیں۔ (۳)

تفریع: پس اگر کسی کے ڈرانے دھمکانے یا کچھ دباؤ میں آکر طلاق دیدی؛ یا مذاق میں بیوی کو طلاق دیدی؛ یا غلط فہمی میں طلاق دی (مثلاً کسی ایک بیوی کو طلاق دینی تھی اور غلطی سے دوسری کو طلاق دیدی) تو ان تمام صورتوں میں طلاق واقع

---

(۱) فی البحر: لو قال امرأة طالق أو قال طلقت امرأة ثلاثاً وقال لم أعن امرأتی یصدق اھ ویفهم منه أنه لم یقل ذالك تطلق امرأته ، لأن العادة أن من له امرأة إنما یحلف بطلاقها لابطلاق غیرها فقوله إنی حلفت بالطلاق ینصرف إلیها مالم یرد غیرها لأنه یحتمله کلامه ..الخ (شامی: ۴/۴۵۸)

(۲) لأن الطلاق أو العتق لایتعلق بالنیة بالقول، حتی لو نوی طلاقها أو عتقه لایصح بدون لفظ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۱۲۱، کتاب الصلاۃ)

(۳) مستفاد هندیہ: ۱/۳۵۳-۳۵۸، شامی: ۴/۴۶۲۔

ہو جائے گی۔[1]

۲۲۷-**ضابطہ**: طلاق صریح لاحق ہوتی ہے طلاق صریح اور بائن سے اور طلاق بائن لاحق ہوتی ہے صرف طلاق صریح سے نہ کہ طلاق بائن سے۔[2]

مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱-صریح کے صریح کو لاحق ہونے کی مثال: شوہر نے پہلے صریح لفظ سے طلاق دی پھر دوبارہ صریح لفظ سے طلاق دی، تو دو طلاق رجعی واقع ہوں گی۔

(لیکن دو طلاق رجعی واقع ہونا اس شرط کے ساتھ ہے کہ صریح سے واقع کی جانے والی دونوں طلاقیں رجعی ہوں، اگر صریح لفظ سے ایک طلاق رجعی دی اور دوسری بائن دی (مثلاً کہا: تجھے طلاق ہے اتنے مال پر، یا تجھے سخت ترین طلاق ہے تو یہ اگرچہ صریح لفظ ہے مگر اس سے بائن طلاق واقع ہوتی ہے) تو اس صورت میں دونوں طلاقیں بائن ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ جب رجعی بائن کے ساتھ ملتی ہے تو وہ بھی بائن ہو جاتی ہے، خواہ رجعی بائن سے پہلے ہو یا بعد میں، کیوں کہ طلاق بائن کے رجعی سے ملنے سے رجعت کا حق ختم ہو جاتا ہے)[3]

۲-صریح کے بائن کو لاحق ہونے کی مثال: شوہر نے پہلے طلاق بائن دی مثلاً

---

(۱)یقع طلاق کل زوج إذا کان بالغا عاقلا سواء کان حراً أو عبداً طائعاً أومکرهاً ...... وطلاق اللاعب والهازل به واقع ...... ولوقال لامرأته أنه ینظر إلیها ویشیر إلیها یازینب أنت طالق فإذا هی امراة له أخری اسمها عمرة یقع الطالق علی عمرة (ہندیہ:۱/۳۵۳-۳۵۸)(۲)الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار:۴/۵۴۰-۵۴۲۔

(۳)الصریح یلحق الصریح :کما لوقال لها أنت طالق ثم قال أنت طلاق أو طلقها علی مال وقع الثانی،بحر. فلافرق فی الصریح الثانی بین کون الواقع به رجعیا أو بائناً ...... وإذا لحق الصریح البائن کان بائناً ،لأن البینونة السابقة علیه تمنع الرجعة کما فی الخلاصة (شامی:۴/۵۴۰)

کنایہ لفظ میں (بہ نیت طلاق یا بوقت مذاکرہ) کہا: "انت بائن" (تو جدا ہے) پھر صریح لفظ سے طلاق دی یعنی کہا "انت طالق" تو دو طلاق بائن واقع ہوں گی۔ (۱)

۳- بائن کے صریح کو لاحق ہونے کی مثال: شوہر نے پہلے صریح لفظ سے طلاق رجعی دی پھر کنایہ لفظ سے طلاق دی، تو دو طلاق بائن واقع ہوں گی۔ (۲)

۴- بائن کے بائن کو لاحق نہ ہونے کی مثال: شوہر نے پہلے طلاق بائن دی (خواہ صریح لفظ سے دی یا کنایہ سے) پھر دوبارہ طلاق بائن دی اور کہا: "انت بائن" یا کوئی اور کنایہ لفظ استعمال کیا تو ایک ہی طلاق بائن واقع ہوگی، کیوں کہ بعد والی بائن پہلی بائن کو لاحق نہیں ہوتی، خواہ ایک ہی لفظ کنایہ کو بار بار استعمال کرے یا متعدد کنایات کو استعمال کرے۔ (۳)

البتہ اگر بعد والے کنایہ لفظ میں کوئی ایسا لفظ بڑھا دے جو نئی طلاق پر دلالت کرتا ہو تو پھر اس سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی، مثلاً طلاق کی نیت سے کہا "میں نے تم کو جدا کر دیا" پھر اسی وقت یا عدت کے اندر کہا میں نے تم کو از سر نو جدا کیا تو دو طلاق بائن واقع ہوں گی۔ (۴)

---

(۱) ویلحق البائن: کما لو قال لها أنت بائن أو خالعها علی مال ثم قال أنت طالق أو هذه طالق ...... الخ (شامی: ۵۴۰/۴) (۲) والبائن یلحق الصریح (درمختار) ومنها: ماقدمناه من قول المنصور: وإن کان الطلاق رجعیاً یلحقها الکنایات، لأن ملك النکاح باق، فتقییده بالرجعی دلیل علی أن الصریح البائن لایلحقه الکنایات وکذالتعلیله دلیل علی ذالك (شامی: ۵۴۳/۴)

(۳) لایلحق البائن البائن: المراد بالبائن الذی لایلحق البائن هوماکان بلفظ الکنایة لأنه هو الذی لیس ظاهراً فی انشاء الطلاق، کذا فی الفتح. وقید بقوله "الذی لایلحق" إشارة إلی ان البائن الموقع اولاً أعم من کونه بلفظ الکنایة أو بلفظ الصریح المفید للبینونة کالطلاق علی مال .. الخ (شامی: ۵۴۲/۴) ←

نوٹ: ان تمام صورتوں میں یہ شرط ملحوظ رہنی چاہئے کہ دوسری طلاق شوہر نے عدت میں دی ہو، ورنہ یہ دوسری طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ عدت کے بعد عورت اجنبیہ ہو جاتی ہے، پھر طلاق کچھ مؤثر نہ ہوگی۔ (۱)

۲۳۸-ضابطہ: تعلیق یمین کا حکم رکھتی ہے، پس اس کو باطل کرنے کا اختیار کسی کو نہیں حتی کہ شوہر کو بھی نہیں۔ (۲)

تفریع: پس اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: "اگر تو اپنے میکے گئی تو تجھے طلاق" اب شوہر اجازت دیتا ہے، اور بیوی بھی جانا چاہتی ہے تو یہ اجازت دینا صحیح نہیں، اگر بیوی میکے جائے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی، کیوں کہ اس شرط کو ختم کرنا یمین کو باطل کرنا ہے اور یمین کا باطل کرنا حالف کے بھی اختیار میں نہیں، پس شوہر اس تعلیق کو باطل نہیں کر سکتا (جیسا کہ طلاق دینے کے بعد طلاق کو باطل نہیں کر سکتا)

۲۳۹-ضابطہ: تعلیق باطل ہوتی ہے، حلت کے زوال سے نہ کہ ملکیت کے زوال سے۔ (۳)

تفریع: پس تین سے کم منجز طلاقیں تعلیق کو باطل نہیں کریں گی، کیوں کہ تین سے کم طلاقوں میں عدت کے بعد اگرچہ ملکیت ختم ہو جاتی ہے، لیکن حلت باقی رہتی ہے، کیوں کہ بغیر حلالہ کے دوبارہ اسی عورت سے نکاح جائز ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو فلاں گھر میں داخل

← (۴) بخلاف أبنتك باخرى: اى لو ابانها أولا ثم قال فى العدة أبنتك باخرى رقع، لأن لفظ أخرى مناف لإمكان الاخبار بالثانى عن الأول (شامی: ۴/۵۴۵)

(۱) بشرط العدة: هذا الشرط لابد منه فى جميع الصور اللحاق (شامی: ۴/۵۴۰)

(۲) فافاده انه يمين لغة واصطلاحاً (شامی: ۴/۵۸۹) اليمين لايجب على الانسان بالإلتزام حتى يبطل بالإختيار فبقيت اليمين على حالها (بدائع الصنائع: ۳/۵۱)

(۳) ان التعليق يبطل بزوال الحل لابزوال الملك (شامی: ۴/۵۹۹)

ہوئی تو تجھے طلاق اور عورت ابھی اس گھر میں داخل نہیں ہوئی کہ شوہر نے ایک یا دو منجز طلاقیں (یعنی فوری طلاقیں جو کسی شی پر معلق نہ ہوں) دیں، پھر عدت میں یا عدت کے بعد اسی عورت کو واپس نکاح میں لے لیا (اور عورت اب تک گھر میں داخل نہیں ہوئی) تو وہ طلاق جو دخول دار پر معلق ہے اب بھی باقی ہے، اگر اب بھی عورت اس گھر میں داخل ہوگی تو طلاق واقع ہو جائے گی، کیوں کہ یہاں تعلیق کے بعد منجز طلاق سے ملکیت ختم ہوئی تھی نہ کہ حلت، پس تعلیق اپنے حال پر باقی رہے گی۔

لیکن اگر تین منجز طلاقیں دیدیں تو تعلیق باطل ہو جائے گی، کیوں کہ تین طلاق کے بعد حلت ختم ہو جاتی ہے اور حلت کے ختم ہونے سے تعلیق باطل ہو جاتی ہے، پس اگر حلالہ کے بعد اس عورت سے نکاح کیا پھر وہ اس گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ (۱)

۲۴۰- **ضابطہ**: تفویض طلاق میں شوہر کو رجوع کا حق نہیں اور توکیل میں رجوع کرسکتا ہے۔ (۲)

جیسے اگر شوہر نے خود بیوی کو یا کسی اجنبی آدمی کو طلاق کا مالک بنایا تو شوہر اس سے رجوع نہیں کرسکتا ہے۔ (۳)

لیکن یہ تفویض مجلس پر منحصر ہوگی، اگر اس شخص نے اس مجلس میں طلاق نہیں دی تو اب اس کا اختیار ختم ہوگیا، اب طلاق دینے سے طلاق واقع نہ ہوگی، البتہ اگر شوہر نے مجلس کے بعد تک اختیار باقی رکھا، مثلاً کہا ہمیشہ کے لئے میں نے تم کو طلاق کا اختیار دیا یا طلاق کا امر تمہارے سپرد کیا یا ایک مہینہ تک یا ایک سال تک اختیار دیا تو اب یہ اختیار مجلس پر منحصر نہیں رہے گا، بلکہ جو مدت شوہر نے دی ہے اس وقت تک اس کو اختیار ہوگا

(۱) شامی: ۵۹۹/۴۔ (۲) ہندیہ: ۳۹۲/۱۔ (۳) ولو قال لاجنبی "امر امرأتی بیدك" یقتصر علی المجلس ولایملك الرجوع قال فی المحیط وهو الأصح، كذا فی الخلاصة (ہندیہ: ۳۹۳/۱)

وہ اس مدت میں جب چاہے اس کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے اور شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا۔ (۱)

برخلاف توکیل کے، کہ توکیل میں شوہر کو رجوع کا حق رہتا ہے مثلاً اگر عورت سے کہا: تم اپنی سوکن کو طلاق دیدو یا اجنبی شخص سے کہا کہ تم میری بیوی کو طلاق دیدو یا میں تم کو طلاق کا وکیل بناتا ہوں تو یہ توکیل ہے، اس میں شوہر کو رجوع کا حق ہے، یعنی اس وکیل کو جب چاہے معزول کر سکتا ہے، پھر جب وکیل کو معزولی کا علم ہو گیا تو اب اس کا طلاق دینا صحیح نہ ہوگا، اور یہ توکیل مجلس پر منحصر نہ ہوگی، مجلس کے بعد بھی وکیل طلاق دے سکتا ہے جب تک معزول نہ کیا جائے۔ (۲)

فائدہ: جاننا چاہئے کہ تفویض میں شوہر کسی کو طلاق کا اختیار دے کر طلاق کا مالک بناتا ہے، جبکہ توکیل میں طلاق دینے کا حکم کرتا ہے یا صراحتاً توکیل کا لفظ بولتا ہے، پس دونوں میں فرق سمجھ لینا چاہئے۔

تحریری طلاق:

۲۴۱- **ضابطہ**: طلاق نامہ میں طلاق لکھتے ہی طلاق واقع ہو جاتی ہے، نیت ہو یا نہ ہو اور خواہ بیوی کو خط پہنچائے یا پھاڑ دے۔ (۳)

تشریح: طلاق نامہ سے مراد: باضابطہ عنوان دیکر بیوی کو مخاطب کر کے طلاق کا خط

---

(۱) رجل قال لآخر "امر امرأتي بيدك إلى سنة" صار الأمر بيده إلى سنة حتى اراد أن يرجع لايملك وإذا تمت خرج الأمر من يده (ہندیہ: ۱/۳۹۳)

(۲) وإذا قال لرجل ذالك او قال لها طلقي ضرتك لم يتقيد بالمجلس، لأنه توكيل فله الرجوع (الدرالمختار) قيد به احترزاً عما لو قال له "امر امرأتي بيدك" فإنه يقتصر على المجلس ولايملك الرجوع على الأصح (شامی: ۴/ ۵۷۷)

(۳) شامی: ۴/۴۵۵۔

لکھنا ہے، ایسی کتابت تلفظ کے قائم مقام ہوتی ہے اور لکھتے ہی طلاق واقع ہوجاتی ہے، خواہ اس میں طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ خط بیوی تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ (۱)

البتہ اگر ایقاع طلاق کو وصول خط کے ساتھ مقید کیا ہو یعنی یوں لکھا ہو کہ "جب میرا یہ خط تجھے پہنچے تو طلاق" پس اب عورت تک خط پہنچنے کے بعد ہی طلاق واقع ہوگی، اگر خط گم ہوگیا یا پھاڑ دیا اور عورت تک نہ پہنچا تو طلاق واقع نہ ہوگی (لیکن اگر عورت تک خط پہنچ گیا تو طلاق واقع ہوجائے گی، خواہ وہ اس خط کو پڑھے یا نہ پڑھے) (۲)

اور اگر خط مرسوم نہ ہو یعنی نہ اس میں کوئی عنوان ہو اور نہ بیوی کو مخاطب کیا ہو اور نہ طلاق کی اضافت بیوی کی طرف کی ہو، بلکہ یوں ہی لکھا: طلاق ہے، طلاق ہے وغیرہ تو اس میں نیت کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر بیوی کو طلاق دینے کی نیت سے لکھا ہے تو طلاق واقع ہوگی، ورنہ نہیں۔ (۳)

فائدہ: پانی پر یا ہوا پر یا ایسی چیز پر طلاق لکھنے سے جس کو سمجھنا اور پڑھنا ممکن نہ ہو طلاق واقع نہ ہوگی، اگرچہ طلاق دینے کی نیت سے لکھے، اس لئے کہ یہ درحقیقت تحریر نہیں ہے۔ تحریر سے مراد واضح تحریر ہے جس کو پڑھنا اور سمجھنا ممکن ہو۔ (۴)

---

(۱)قال في الهندية: الكتابة على نوعين: مرسومة وغير مرسومة، ونعني بالمرسومة ان يكون مصدراً ومعنوناً مثل مايكتب إلى الغائب.....وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو، ثم المرسومة لاتخلو إما أن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد فانت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة (شامی:۴/۲۵۵-۲۵۶)

(۲)وإن علق طلاقها بمجيء الكتاب بأن كتب: إذا جاء ك كتابي فانت طالق فجاء ها الكتاب فقرأته أو لم تقرأ يقع الطلاق، كذا في الخلاصة (شامی:۴/۲۵۶)

(۳)وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى، الطلاق يقع وإلا لا (شامی: ۴/۲۵۶) (۴)وغير المستبينة مايكتب على الهواء والماء وشيء لايمكن ←

۲۴۲- **ضابطہ**: تحریری طلاق کا اعتبار مجبوری اور ضرورت کے وقت ہے۔[1]

تفریعات:

(۱) پس اگر بیوی مجلس میں موجود ہو تو تحریر سے طلاق واقع نہ ہوگی، اس لئے کہ بیوی کے موجود ہوتے ہوئے شوہر تلفظ سے طلاق واقع کرسکتا ہے، لہٰذا تحریر کی ضرورت نہ رہی (مگر یہ کہ شوہر گونگا ہو تو پھر تحریر مطلقاً معتبر ہوگی کیوں کہ یہاں ضرورت ہے)[2]

(۲) اسی طرح اگر شوہر کو ڈرا دھمکا کر طلاق لکھوائی یا طلاق نامہ پر قہراً دستخط کروائے یا دھوکا دیکر یہ کام کرایا یا مہر لگوائی یا انگوٹھے کا نشان جبراً لے لیا یا شوہر کو معلوم ہے مگر اس پر راضی نہیں، صرف خوف کی وجہ سے اس نے ایسا کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی، اس لئے کہ کتابت کو تلفظ کے قائم مقام طلاق کے باب میں مجبوراً کیا گیا ہے اور جبر واکراہ کی حالت میں وہ مجبوری اور ضرورت نہیں۔[3]

نوٹ: طلاق سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

ایلاء کا بیان

۲۴۳- **ضابطہ**: وہ چیز جس کی ادائیگی ایک گونہ دشوار ہو اس پر مباشرت کو معلق کرنے سے بھی ایلاء ہوجاتا ہے۔[4]

← فهمه وقرائه ،ففي غير المستبينة لايقع الطلاق وإن نوى (شامی:۴/۴۵۶)

(۱)أن الكتابة مقام العبارة باعتبار الحاجة (شامی:۴/۴۴۰)

(۲)إيماء الأخرس وكتابته كالبيان، بخلاف معتقل اللسان (الدرالمختار) لكن في الدر المنتقى عن الأشباه: أنه في حق الأخرس يشترط أن يكون معنونا وإن لم يكن لغائب، وظاهره أن المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر (شامی:۶/۷۳۷ مسائل شتی، مکتبہ سعید) (۳)أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق،فلو اكره على أن يكتب الطلاق امرأته، فكتب لاتطلق (شامی:۴/۴۴۰) ←

تفریع: پس اگر کسی نے بیوی سے کہا: اگر میں تم سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج واجب ہو، یا روزہ لازم ہو، یا میرا غلام آزاد ہو، یا میری (دوسری) بیوی کو طلاق ہو تو ان تمام صورتوں میں ایلاء ہو جائے گا۔ اگر چار مہینے تک بیوی کے پاس نہیں گیا تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اور اگر اس سے پہلے مباشرت کر لی تو شرط پائی جانے کی وجہ سے مذکورہ جزا یعنی حج، وغیرہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

اور جس کی ادائگی عادتاً زیادہ دشوار نہ ہو، جیسے کہا: اگر تم سے مجامعت کروں تو مجھ پر چار رکعت نماز پڑھنا لازم ہو، یا جنازہ کے پیچھے چلنا واجب ہو، یا قرآن کی تلاوت کرنا فرض ہو وغیرہ تو اس سے ایلاء نہ ہوگا اور نہ اس کا کوئی حکم ثابت ہوگا۔ [۱]

۲۳۴- **ضابطہ**: ایلاء میں غیر اللہ کی قسم کا اعتبار نہیں اس سے ایلاء نہیں ہوتا۔ [۲]

تشریح: پس اگر کہا: فلاں دیوتا یا پیر کی قسم، یا تیری قسم، یا میری قسم، میں تجھ سے مجامعت نہ کروں گا تو اس سے ایلاء نہ ہوگا، اور نہ کوئی کفارہ لازم ہوگا (مگر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں، حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے)

۲۳۵- **ضابطہ**: ایلاء مؤبد تین طلاقیں واقع ہونے تک مؤثر رہتا ہے اور ایلاء موقت ایک طلاق کے بعد بے اثر ہو جاتا ہے۔ [۳]

تفریع: پس اگر ایلاء موقت کیا یعنی کوئی مدت معین کی مثلاً چار ماہ یا ایک سال تک

→ (۴) او بتعلیق مایستشقه علی القربان (شامی: ۵/۵۸)

(۱) ولو حلف بان یقول ان قربتك فعلی حجة او عمرة او صدقة او صیام ...... فهو مول ولو قال فعلی اتباع جنازة او سجدة تلاوة او قراءة القرآن...... فلیس بمول، وتجب صحة الایلاء فیما لو قال فعلی مأة رکعة ونحوه مما یشق عادة (هندیہ: ۱/ ۴۷۸، ہدایہ: ۲/۴۰۳، شامی: ۵/۵۸، کتاب الفقہ ۴/۴۶۲)

(۲) ولو حلف بغیر الله عز وجل...... لایکون مولی (بدائع: ۳/۲۵۴)

(۳) مستفاد ہدایہ: ۲/۴۰۲، شامی: ۵/۵۸۔

مباشرت نہ کرنے کی قسم کھائی پھر چار ماہ تک بیوی سے قریب نہیں ہوا جس کی وجہ سے طلاق ہوگئی یا چارہ ماہ سے پہلے ہی بیوی کو ایک طلاق دے کر علاحدہ کردیا پھر اسی عورت سے دوبارہ نکاح کیا اور چار ماہ تک جنسی عمل نہیں کیا تو اب اس کی وجہ سے کوئی اور طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ ایلاء کا اثر طلاق کی وجہ سے ختم ہوگیا۔

اور اگر ایلاء مؤبد کیا یعنی ہمیشہ مباشرت نہ کرنے کی قسم کھائی، مثلاً کہا: بخدا میں تم سے کبھی جماع نہ کروں گا، پھر طلاق واقع ہونے کے بعد اسی سے نکاح کیا اور چار ماہ تک بیوی سے قربت نہیں کی تو دوسری طلاق واقع ہوجائے گی، پھر اگر تیسری دفعہ نکاح کیا اور چار ماہ تک جماع نہیں کیا تو تیسری طلاق واقع ہوگی، تین طلاق کے بعد ایلاء کا اثر ختم ہوجائے گا، یعنی اگر حلالہ کے بعد چوتھی بار پھر اسی عورت سے نکاح کیا اور چار ماہ بلا مباشرت کے گذر گئے تو اب طلاق واقع نہ ہوگی۔ البتہ قسم باقی رہے گی اور جب بھی بیوی سے مجامعت کرے گا قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ (۱)

۲۴۶- **ضابطہ**: ایلاء میں رجوع چار ماہ کے درمیان جماع ہی سے لازم ہے، مگر یہ کہ وطی کے لئے کوئی حقیقی مانع ہو۔

تشریح: حقیقی مانع یہ ہے کہ شوہر ایسا مریض ہے کہ جماع کی طاقت نہیں رکھتا، یا بیوی سے اتنا دور ہے کہ چار ماہ کی مدت میں اس تک نہیں پہنچ سکتا، یا قید خانے میں ہے اور عورت تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں، وغیرہ۔

اور عورت کی جانب حقیقی مانع یہ ہے کہ عورت اتنی بیمار ہے کہ جماع کے قابل نہیں،

---

(۱) فإن كان حلف على أربعة أشهر فقد سقطت اليمين، لأنها كانت موقتة به، وإن كان حلف على الأبد فاليمين باقية...... فتزوجها عاد الايلاء فإن وطيها وإلا وقعت بمضى أربعة أشهر تطليقة اخرى...... فإن تزوجها ثالثا عاد الإيلاء و وقعت بمضى أربعة أشهر اخرى إن لم يقربها لما بينا، فإن تزوجها بعد زوج اخرى لم يقع بذالك الإيلاء طلاق...... واليمين باقية. (ہدایہ: ۲/ ۴۰۲، شامی: ۵/ ۵۸)

یا ایسی چھوٹی بچی ہے جو جماع کے لائق نہیں، یا رتقاء ہے یعنی اس کی پیشاب گاہ میں کوئی ہڈی بڑھی ہوئی جس کی وجہ سے قربت نہیں کی جا سکتی تو ان سب صورتوں میں مانع حقیقی ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ شوہر مدت ایلاء میں صرف فئت الیہا (میں نے عورت کی طرف رجوع کیا) یا أبطلت الإیلاء (میں نے ایلاء باطل کر دیا) کہہ دے تو اس سے ایلاء ساقط ہو جائے گا۔[1]

اور اگر عورت احرام میں ہے یا مرد خود محرم ہے تو یہ مانع حقیقی نہیں، بلکہ مانع شرعی ہے پس اس میں قول سے رجوع معتبر نہ ہوگا، بلکہ رجوع کے لئے جماع لازم ہوگا۔[2]

خلع کا بیان

۴۴۷۔ **ضابطہ**: خلع کرنے سے میاں بیوی پر ایک دوسرے کے وہ سب حقوق ساقط ہو جاتے ہیں جو نکاح سے متعلق ہیں (اگرچہ اس کی صراحت نہ کی گئی ہو)[3]

تشریح: پس خلع کرنے کی وجہ سے مہر، گذشتہ کا نفقہ وغیرہ جو نکاح سے متعلق حقوق شوہر کے ذمہ ہیں وہ سب ساقط ہو جائیں گے، عورت کچھ مطالبہ نہیں کر سکتی۔ اسی طرح عورت نے مہر وصول کر لیا ہے اور شوہر نے اس پر کچھ تبرع بھی کیا ہے یا پیشگی نفقہ عورت نے وصول کر لیا ہے تو یہ سب حقوق ساقط ہو جائیں گے، شوہر کچھ مطالبہ نہیں کر سکتا۔

البتہ عدت کا نفقہ ساقط نہ ہوگا وہ شوہر پر لازم ہوگا مگر یہ کہ خلع کے وقت اس سے برأت کی شرط لگائی ہو۔ اور عدت کا سکنی تو عورت بری کرے تب بھی ساقط نہ ہوگا

(۱) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۵/۷۱-۷۲، ہدایہ: ۲/۴۰۳، فتح القدیر: ۴/۵۳۔

(۲) لعجز احقیقیاً لا حکماً کاحرام لکونہ باختیارہ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۵/۷۱)

(۳) ویسقط الخلع والمبارأۃ کل حق لکل واحد منہما علی الآخر مما یتعلق بالنکاح (عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ: ۲/۱۱۲)

کیوں کہ یہ شریعت کا حق ہے، البتہ عورت سکنی کا کرایا اپنے ذمہ لے سکتی ہے۔[1]

نیز عورت کا حق حضانت (بچہ کی پرورش کے حق) سے دست بردار ہونا بھی درست نہیں، کیوں کہ یہ بچہ کا حق ہے۔[2]

اور نکاح کے علاوہ باقی حقوق، مثلاً شوہر نے عورت سے کچھ خریدا ہے اور اس کی قیمت اس کے ذمہ ہے یا اس نے عورت سے قرض لے رکھا ہے وغیرہ...... یا اس کا بر عکس یعنی عورت نے شوہر سے اس طرح کا کوئی معاملہ کیا ہے تو یہ سب حقوق خلع سے ساقط نہیں ہوں گے، بلکہ صاحب حق کو اس کا حق دینا لازم ہوگا۔[3]

۲۲۸- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جو شرعاً مہر بن سکتی ہے خلع میں اس کو بدل خلع بنانا درست ہے، اور جو چیز مہر نہیں بن سکتی، اس کو بدل بنانا درست نہیں۔[4]

جیسے نقد رقم، کپڑا، غلہ وغیرہ کو خلع میں بدل بنانا درست ہے۔

---

(۱) فلا يسقط مالا يتعلق بالنكاح كثمن مااشترت من الزوج ويسقط ما يتعلق بالنكاح كاالمهر والنفقة الماضية ، أمانفقة العدة فلاتسقط إلا بالذكر كذا في الذخيرة والمهر يسقط من غير ذكره (شرح الوقاية) واما سكنى العدة فلا تسقط بالذكر ايضا لانها حق الشرع فإن سكنها في غيربيت الطالق معصية (عمدة الرعاية على شرح الوقاية:۱۱۲/۲، البحر:۱۳۶/۴، ہندیہ:۴۸۹/۱) إلا إذا ابرأته عن مؤنة السكنى فيصح (الدر المختار على ہامش رد المحتار:۱۰۵/۵)

(۲) رجل خلع امرأته وبينهما ولد صغير على أن يكون الولد عند الأب سنين معلومة صح الخلع ويبطل الشرط لأن كون الولد الصغير عند الام حق الولد فلايبطل بابطالهما (ہندیہ:۴۹۱/۱)

(۳) فلايسقط مالا يتعلق بالنكاح كثمن مااشترت من الزوج..الخ (شرح الوقایہ علی ہامش عمدۃ الرعایۃ :۱۱۲/۲)

(۴) ماجاز ان يكون مهراً جاز ان يكون بدلاً في الخلع (ہدایہ:۴۰۵/۲)

اور شراب خنزیر، مردار وغیرہ کو بدل بنانا درست نہیں، البتہ خلع درست ہوجائے گا، لیکن عورت پر کچھ لازم نہ ہوگا، اگر مہر وصول کرلیا ہے تو اس کو واپس کرنا بھی ضروری نہیں۔ (۱)

۲۲۸- **ضابطہ**: جو شرائط واحکام طلاق کے ہیں وہی خلع کے بھی ہیں۔

تفریعات:

(۱) جس طرح طلاق میں مرد میں اہلیت (عاقل، بالغ) ہونا اور عورت کا محل طلاق ہونا یعنی نکاح میں ہونا ضروری ہے، خلع میں بھی یہ شرط ہے۔ (۲)

(۲) جس طرح طلاق کے بعد عورت پر عدت لازم ہوتی ہے، خلع کے بعد بھی لازم ہوگی۔

(۳) جس طرح طلاق میں تعلیق درست ہے، خلع میں بھی درست ہے، مثلاً کہے کہ جب تو گھر میں داخل ہو تو میں نے ایک ہزار کے عوض تیرا خلع کیا تو شرط پائے جانے پر خلع ہوجائے گا، بشرطیکہ وقوع شرط کے وقت عورت کی طرف سے قبول پایا گیا ہو۔ (۳)

(۴) جس طرح ہنسی مذاق میں طلاق ہوجاتی ہے، خلع بھی ہوجاتا ہے، جیسے مرد نے مذاق میں کہا: تم اتنا مال دو تو میں خلع کرتا ہوں، عورت نے ہنسی مذاق میں قبول کرلیا

---

(۱) وإذا وقعت المخالعة على خمر أو خنزير أو ميتة أو دم وقبل الزوج ذالك منها ثبت الفرقة ولاشيء على المرأة من جعل ولاترد من مهرها شيئاً كذافي الحاوي (ہندیہ: ۱/۴۹۴) (۲) وشرطه وهو أهلية الزوج وكون المرأة للطلاق منجزا ......الخ (شامی: ۵/۸۸) (۳) وله أن يعلقه بشرط ويضيفه إلى وقت مثل إذا قدم زيد فقد خالعتك على كذا أو خالعتك على كذا غداً أو راس الشهر والقبول إليها بعد قدوم زيد ومجيء الوقت، لأنه تطليق عند وجود الشرط والوقت فكان قبولها قبل ذالك لغواً (شامی: ۵/۸۹)

تو خلع ہو جائے گا۔

(۵) جس طرح شوہر سے زبردستی ڈرا دھمکا کر طلاق دلوانے سے طلاق ہو جاتی ہے، اس طرح خلع بھی ہو جاتا ہے۔ (۱)

البتہ یہ دو احکام مستثنیٰ ہیں:

(۱) خلع کی صحت میں عورت کی رضامندی شرط ہے، پس عورت سے مال قبول کروانے میں زبردستی کی گئی تو خلع درست نہ ہوگا اور بغیر مال کے اس پر طلاق پڑ جائے گی، جبکہ طلاق میں عورت کی رضامندی شرط نہیں۔ (۲)

(۲) خلع میں وقت کی کوئی تحدید نہیں، حالت حیض اور ایسے طہر جس میں بیوی سے صحبت کر چکا ہے اس میں بھی خلع بلا کراہت درست ہے، بر خلاف طلاق کے کہ مذکورہ وقت میں طلاق مکروہ ہے۔ (۳)

۲۵۰- **ضابطہ**: مرد کی طرف سے خلع کی پیش کش کرنا اس کے حق میں یمین کا حکم رکھتا ہے۔ (۴)

پس اس پر یہ احکام متفرع ہوں گے:

(۱) مرد اپنے قول سے رجوع نہیں کر سکتا ـــــ (۲) اس میں خیار شرط درست نہیں ـــــ (۳) جس مجلس میں خلع کی پیش کش کی ہے اس کے بعد بھی عورت کے لئے قبول کا حق باقی رہے گا، مجلس تک محدود نہ رہے گا ـــــ (۴) مرد کے لئے درست ہے کہ خلع کو کسی شرط یا وقت پر معلق کرے اور اس صورت میں وہ مقررہ وقت یا شرط پائے جانے پر ہی عورت کا قبول کرنا درست ہوگا۔ (۵)

(۱) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴۳۸/۲۔ (۲) اکرهها الزوج علیه تطلق بلا مال، لأن الرضا شرط للزوم المال وسقوطه (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹۵/۵)
(۳) المغنی: ۲۴۷/۷۔ (۴) هو یمین فی جانبه. (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۸۹/۵)
(۵) فلا یصح رجوعه عنه قبل قبولها، ولا یصح شرط الخیار له، ولا یقتصر ←

ظہار کا بیان

ظہار: ظہر (پشت) سے ماخوذ ہے اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں عورت کو اپنی محرمات ابدیہ (ماں، بیٹی، بہن، ساس، رضاعی ماں، رضاعی بہن وغیرہ) کے اعضاء کے ساتھ تشبیہ دینا۔[1]

۲۵۱- **ضابطہ**: بیوی کو اپنی محرمات ابدیہ کے ہر ایسے عضو کے ساتھ جس کی طرف دیکھنا حرام ہے (جیسے پیٹ، پشت، ران، شرمگاہ) تشبیہ دینا ظہار کہلاتا ہے۔[2]

جیسے بیوی سے کہا: تو میری ماں کی پشت کی طرح ہے یا میری بہن، یا خالہ، یا ساس یا رضاعی ماں کی پشت کی طرح ہے تو ظہار ہو جائے گا۔

اور اگر محرمات کی پوری ذات کے ساتھ تشبیہ دی، مثلاً کہا کہ تو میری ماں کی طرح ہے (پشت وغیرہ کا ذکر نہیں کیا) تو یہ کلام کنایہ ہے، اس میں ظہار، طلاق، ایلاء اور عزت وشرافت میں مماثلت کا احتمال ہے، پس ان الفاظ میں نیت کا اعتبار ہوگا اور اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ پس اگر شوہر کہے کہ میں نے ماں کی عزت وشرافت میں تشبیہ دی ہے تو تسلیم کیا جائے گا اور ظہار نہ ہوگا۔[3]

اور اگر کچھ بھی نیت نہ ہو اور یہ الفاظ غصہ میں استعمال کیے ہوں تو فتاویٰ دارالعلوم

← علی المجلس (الدرالمختار) وله أن يعلقه بشرط ويضيفه إلى وقت مثل إذا قدم زيد فقد خالعتك على كذا أو خالعتك على كذا غداً أو راس الشهر والقبول إليها بعد قدوم زيد ومجيء الوقت، لأنه تطليق عند وجود الشرط والوقت فكان قبولها قبل ذالك لغواً (شامی: ۸۹/۵)

---

(۱) البحر: ۱۵۷/۴۔ (۲) وأراد بالمشبه به عضواً يحرم إليه النظر من عضو محرمة عليه على التابيد (البحر: ۱۵۸/۴) (۳) وإن نوى بانت على مثل أمي .. براً أو ظهاراً أو طلاقاً صحت نيته ووقع مانواه لأنه كناية (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۱۳۱/۵)

میں ہے کہ: ظاہری عرف کے لحاظ سے طلاق بائن کا حکم لگایا جائے گا، کیوں کہ عام طور سے لوگ ظہار سے ناواقف ہوتے ہیں اور غصہ کے وقت ان الفاظ کو استعمال کرنے میں بالیقین طلاق اور دائمی مفارقت کی نیت ہوتی ہے۔[1]

اور محرمات کے عضو (پیٹ، پشت وغیرہ) کے ساتھ تشبیہ دینا یہ ظہار میں صریح ہے، اس میں بلانیت بھی ظہار ہو جاتا ہے۔[2]

۲۵۲- **ضابطہ**: ظہار کے لئے حرف تشبیہ کا ہونا ضروری ہے اس کے بغیر کلام لغو ہے۔[3]

تشریح: حرف تشبیہ سے مراد عربی میں کاف، مثل، نحو اور اردو میں مثل، طرح، مانند وغیرہ ہیں —— پس بغیر حرف تشبیہ کے صرف یہ کہا: کہ تو میری ماں ہے یا بہن ہے، یا تیری پشت میری ماں کی پشت ہے تو یہ کلام لغو ہے، اس سے ظہار نہ ہوگا۔ البتہ ایسا کہنا مکروہ ہے۔ عورت کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ اپنے شوہر کو باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کرے۔[4]

۲۵۳- **ضابطہ**: فرقت کا واقع ہونا ظہار کو باطل نہیں کرتا۔[5]

تفریع: پس ظہار کے بعد میاں بیوی میں طلاق یا خلع سے فرقت ہوگئی تو ظہار باطل نہ ہوگا۔ حتی کہ شوہر نے تین طلاقیں دیں، پھر حلالہ یعنی دوسرے شوہر سے نکاح کے بعد عورت زوج اول کے پاس آئی تو اب بھی ظہار کا حکم باقی رہے گا، شوہر کے لئے اس وقت تک وطی حلال نہ ہوگی جب تک ظہار کا کفارہ ادا نہ کرے۔

(۱) فتاوی دار العلوم: ۲۰۹/۱۰۔ (۲) لوقال لامرأته أنت علی کظهر امی کان مظاهراً سواء نوی الظهار أو لانیة له اصلا، لان هذا صریح فی الظهار (بدائع الصنائع: ۳/ ۳۶۶) (۳) لا یدلی کونه ظهاراً من التصریح باداة التشبیه شرعاً (شامی: ۱۳۱/۵)

(۴) البحر الرائق: ۴/ ۱۶۰-۱۶۱، ھندیہ: ۵۰۷/۵، شامی: ۱۳۱/۵۔

(۵) الفرقة لایبطل الظهار (خانیہ: ۵۴۳/۱)

الخرائط الثمینة فی المسائل الفقهیة المهمة

یعنی

اہم فقہی مسائل کے قیمتی شجرات

شجرہ (۱): نجاست حقیقیہ کا بیان
نجاست
انسان کی نجاست
حیوان کی نجاست
پرندوں کی نجاست
مأکول اللحم
غیر مأکول اللحم
پیشاب
پاخانہ
خون
پیشاب
پاخانہ
خون
نجاست خفیفہ
نجاست غلیظہ
نجاست غلیظہ
پیشاب
پاخانہ
خون
قے
منی، مذی
نجاست غلیظہ
ہوا میں اچھی طرح اڑنے والے پرندے
مأکول اللحم
غیر مأکول اللحم
بیٹ
خون
بیٹ
خون
پاک (ضرورتاً)
نجاست غلیظہ
نجاست خفیفہ
نجاست غلیظہ
وہ پرندے جو ہوا میں اچھی طرح نہیں اڑتے ہیں، مثلاً مور، بطخ وغیرہ
بیٹ
خون
نجاست غلیظہ
نوٹ: تفصیلات وحوالجات کے لئے کتاب میں ''نجاست حقیقیہ کا بیان'' ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۲): حیض کا بیان
حیض کا خون
عادت کے موافق آیا
عادت سے زیادہ آیا(۱)
عادت سے کم آیا
دس دن کے اندر بند ہوا
دس دن سے تجاوز کر گیا
سب دن حیض کے ہیں
گویا عادت بدل گئی
عادت کی طرف رجوع کریں گے، پس
عادت کے ایام حیض کے ہیں باقی استحاضہ
پس نمازیں جو رہ گئی وہ قضا کرے
اس کا حکم واضح ہے
تین دن سے بھی کم آیا
تین دن سے زیادہ مگر عادت سے کم
حیض ہے، بند ہونے پر نماز روزہ احتیاطا شروع کردیں، مگر شوہر
کے لئے جماع جائز نہیں جب تک عادت پوری نہ ہو جائے (۲)
استحاضہ ہے
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (۳): نفاس کا بیان
نفاس کا خون
پہلے بچے میں
دوسرے بچے میں
۴۰ دن یا زیادہ پر خون بند ہوا
۴۰ دن سے کم میں بند ہوا
۴۰ دن تک نفاس ہے اس کے بعد استحاضہ
نماز روزہ شروع کردیں شوہر کے لئے جماع بھی جائز ہے (۱)
عادت کے موافق بند ہوا
غیر موافق بند ہوا
اس کا حکم واضح ہے
عادت سے زیادہ آیا
عادت سے کم آیا
۴۰ دن سے تجاوز کر گیا
۴۰ دن سے تجاوز نہیں کیا
نفاس ہے اگرچہ ایک دن آئے
عادت کی طرف رجوع کریں گے پس عادت کے ایام نفاس، باقی استحاضہ، نمازیں قضا کریں (۲)
سب ایام نفاس کے ہیں گویا عادت بدل گئی (۳)
نماز روزہ شروع کردیں احتیاطاً اور شوہر کے لئے جماع جائز نہیں جب تک عادت پوری نہ ہوجائے (۴)
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (۴): نماز میں قاری کی غلطیوں کا بیان
غلطی
کلمات وحروف کی غلطی
آیات کی غلطی
دوسری غلطیاں
کسی کلمہ یا حرف کا اضافہ کیا
کسی کلمہ یا حرف کو کم کردیا
ایک کلمہ یا حرف کی جگہ دوسرا کلمہ یا حرف پڑھا
معنی میں تغیر فاحش ہوگیا تو نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں
ایک آیت کی جگہ دوسری آیت پڑھی
آیت کو چھوڑ دیا
وقف کر کے دوسری آیت پڑھی
بلا وقف دوسری آیت پڑھی
نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ معنی بدل جائے
نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ معنی بدل جائے
تغیر فاحش ہوگیا تو نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں
مد کی غلطی
سکون کی غلطی
تشدید کی غلطی
اعراب کی غلطی
نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ معنی بدل جائے
معنی بدل گیا
معنی نہیں بدلا
کفر کی حد تک پہنچ گیا
کفر کی حد تک نہیں پہنچا
کوئی حرج نہیں نماز فاسد نہ ہوگی
عند المتقدمین نماز فاسد ہوجائے گی اس میں احتیاط ہے۔ عند المتاخرین فاسد نہ ہوگی اس میں وسعت ہے
نماز فاسد نہ ہوگی بالاتفاق
نوٹ: تفصیلات وحوالجات "قاری کی لغزشوں کے بیان" میں ہیں

شجرہ (۵): سجدۂ سہو کا بیان

پیچھے صفحہ کا
قعدۂ اولیٰ بھول گیا(۱)
واپس آگیا
واپس نہیں آیا
کھڑے ہونے کے قریب تھا
بیٹھنے کے قریب تھا
سجدۂ سہو واجب ہے
سجدۂ سہو واجب نہیں
سجدۂ سہو واجب ہے
قعدۂ اخیرہ بھول گیا(۲)
پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا
پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا
نماز فاسد ہوگئی
واپس آکر قعدہ کرے اور سجدۂ سہو نماز ہوگئی
قعدۂ اخیرہ کے بعد سلام سے پہلے کھڑا ہوگیا(۳)
پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا
پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا
چاہے تو چھٹی رکعت ملالے چار فرض اور دو نفل ہوگئے اور اخیر میں سجدہ سہو کرلے
واپس آجائے سجدۂ سہو کرلے نماز ہوگئی
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (٦): مفسدات صلوٰۃ کا بیان
مفسد
اقوال میں
افعال میں
کلام الناس (۱)
کلام الآخرت
مفسد صلوٰۃ مطلقاً خواہ سہواً ہو یا عمداً؛ خطاباً ہو یا بلا خطاب
تخاطباً یعنی کسی سے خطاباً یا جواباً کلام کیا
بلا خطاب وجواب کلام کیا
مثال
مثال
اچھی بری خبر سن کر الحمد للہ یا انا للہ جواباً کہا یا چاند دیکھ کر ربی وربک اللہ کہا وغیرہ
بے اختیار یا اللہ، سبحان اللہ وغیرہ نکل گیا یا انا للہ کہا بلا کسی جواب میں
حکم
حکم
نماز فاسد ہوگئی (۲)
نماز فاسد نہیں ہوئی (۳)
رونا
بغیر آواز کے
آواز سے (۴)
فاسد نہ ہوگی، مطلقاً خواہ غم آخرت میں رویا یا غم دنیا میں
دنیوی غم میں
آخرت کے غم میں
نماز فاسد نہ ہوگی مطلقاً
نماز فاسد ہوگئی، مگر یہ کہ خود پر قابو نہ رہے تو چھینک اور ڈکار کے مثل ہوگا اور نماز فاسد نہ ہوگی
آگے صفحہ پر

پچھلے صفحہ کا
کھانا (۵)
حرکت کرنا
دانتوں میں پھنسی ہوئی چیز
باہر سے
عمل کثیر
عمل قلیل
چنے کی مقدار ہو تو نماز فاسد ہوگئی ورنہ نہیں
نماز فاسد ہوگئی مطلقاً یعنی کم ہو یا زیادہ
مفسد صلوٰۃ مطلقاً
غیر مفسد، البتہ بلا عذر مکروہ ہے
چلنا (۶)
تابع مشی، یعنی لگاتار چلنا
غیر تابع مشی یعنی ٹھہر ٹھہر کر چلنا
نماز فاسد نہ ہوگی خواہ کتنا ہی چلے بشرطیکہ مقتدی ہو تو امام سے آگے نہ بڑھے
منفرد و امام
مقتدی
سجدے کی جگہ سے تجاوز کر گیا
سجدے کی جگہ سے تجاوز نہیں کیا
دو صف سے تجاوز کر گیا یا آگے امام سے بڑھ گیا
نہ دو صف چلا اور نہ امام سے آگے بڑھا
نماز فاسد ہوگئی
نماز فاسد نہیں ہوئی
نماز فاسد ہوگئی
نماز فاسد نہیں ہوئی
نوٹ: عمل قلیل و کثیر کی تعریف اور مزید تفصیل کے لئے ”مفسدات صلوٰۃ کا بیان“ اور حوالجات کے لئے کتاب کا آخر حصہ ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۷): مفسدات صوم کا بیان
مفسد
کھانا پینا(۱)
جماع
دوا علاج
منھ کے اندر کی چیز
منھ سے باہر کی چیز
جماع حقیقتاً یعنی دخول فی القبل والدبر
جماع معناً
دانتوں میں پھنسی ہوئی کوئی چیز
دانتوں کا خون
روزہ فاسد ہو گیا خواہ کم ہو یا زیادہ
روزہ فاسد ہو گیا خواہ انزال ہو یا نہ ہو(۲)
خون تھوک سے مغلوب ہو
خون تھوک پر غالب یا برابر ہو یعنی اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو
اگر چنے کے دانہ کے بقدر ہو تو روزہ فاسد ہو گیا ورنہ نہیں
روزہ فاسد نہیں ہوا
روزہ فاسد ہو گیا
بلا چھوئے محض تصور و خیال یا دیکھنے سے انزال ہوا(۵)
عورت کو چھونے سے انزال ہوا(۴)
جلق یعنی مشت زنی سے انزال کیا(۳)
روزہ فاسد نہیں ہوا
روزہ فاسد ہو گیا لیکن کپڑے سے چھونے میں بدن کی حرارت بھی محسوس ہوئی ہو ورنہ فاسد نہ ہوگا
روزہ فاسد ہو گیا
خواب میں احتلام ہوا
شرمگاہ میں انگلی داخل کی(۶)
روزہ فاسد نہیں ہوا
اگر انگلی پانی وغیرہ سے تر تھی تو روزہ فاسد ہو گیا ورنہ نہیں
آگے صفحہ پر

پیچھے صفحہ کا
کان میں دوا ڈالنا(۷)
ناک میں دوا ڈالنا(۸)
روزہ فاسد ہو جائے گا، البتہ پانی ڈالنے سے جبکہ قصداً نہ ڈالا ہو فاسد نہ ہوگا
روزہ فاسد ہو جائے گا
آنکھ میں دوا یا سرمہ لگانا(۹)
حقنہ یعنی پاخانہ کے مقام سے دوا چڑھانا(۱۰)
روزہ فاسد نہ ہوگا، خواہ دوا یا سرمہ کا مزہ حلق میں محسوس ہو
روزہ فاسد ہو جائے گا
انجکشن لگوانا(۱۱)
روزہ فاسد نہ ہوگا مطلقاً، خواہ رگ میں انجکشن لگایا یا گوشت میں
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔
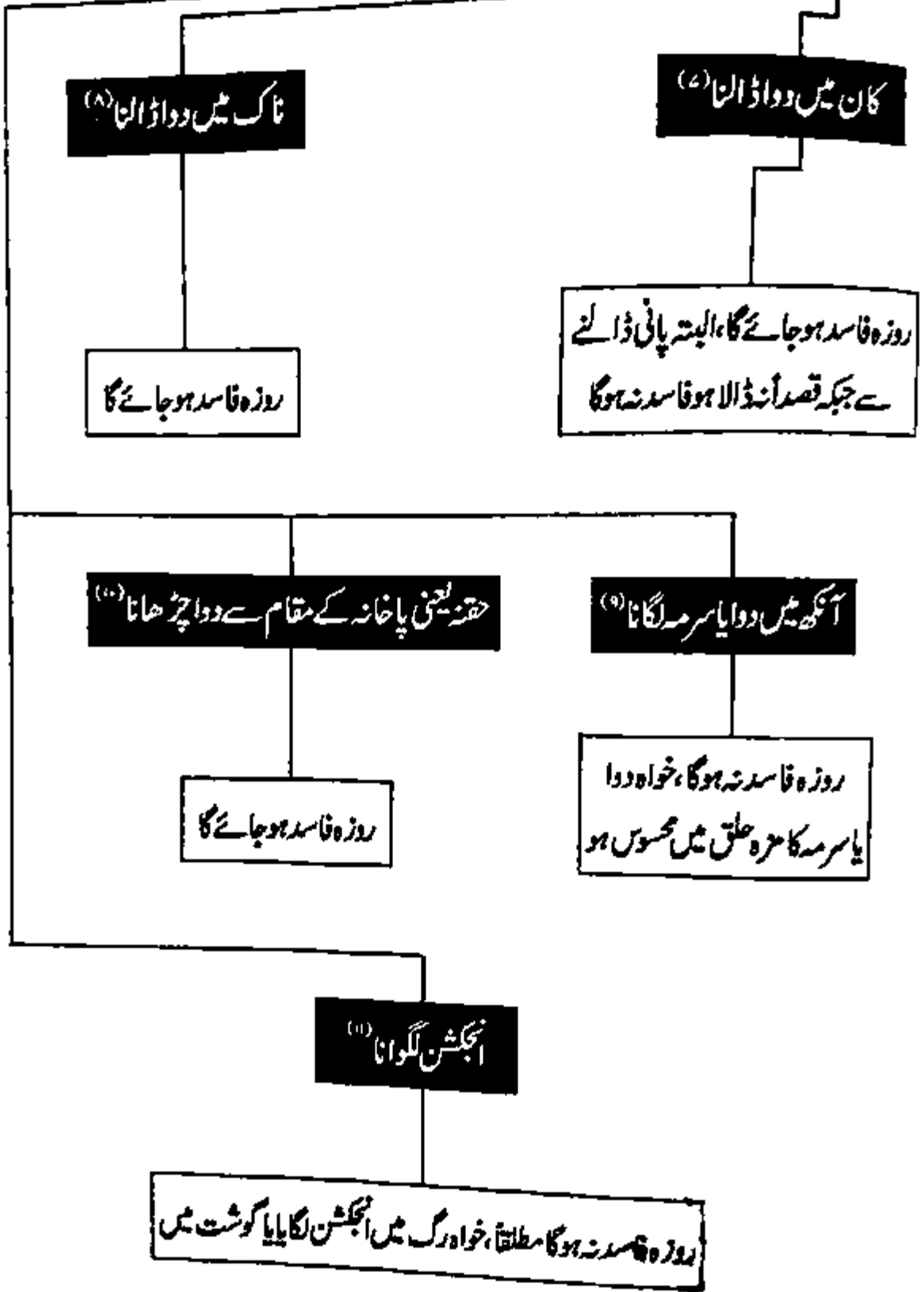
شجرہ (۸): مفسدات اعتکاف کا بیان
مفسد
روزہ کا فاسد ہونا
جماع کرنا
مسجد سے باہر نکلنا
واجب و سنت اعتکاف میں
نفل اعتکاف میں
جماع حقیقتاً یعنی دخول فی القبل والدبر
جماع معناً یعنی بوس و کنار وغیرہ
اعتکاف فاسد ہو جائے گا
اعتکاف فاسد نہ ہوگا بلکہ اس میں روزہ لازم ہی نہیں
اعتکاف فاسد ہو جائے گا
اعتکاف فاسد نہ ہوگا جب تک انزال نہ ہو البتہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے (۱)
طبعی ضرورت سے
شرعی ضرورت سے
پیشاب پاخانہ کے لئے
کھانا لانے کے لئے
کوئی حرج نہیں
اگر کوئی لانے والا نہ ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں (۲)
بڑی سگریٹ کے لئے
دوا علاج کے لئے
استنجاء کے ضمن میں جائز ہے مستقل نکلنا جائز نہیں (۳)
اعتکاف فاسد ہو جائے گا البتہ گناہ نہ ہوگا، جبکہ سخت احتیاج ہو (۴)
آگے صفحہ پر

پچھلے صفحہ کا
وضو کے لئے
غسل کے لئے
جائز ہے خواہ نفل وضو ہو یا فرض (۵)
غسل جمعہ
جائز ہے (۶)
غسل جنابت
جائز ہے بلکہ ضروری ہے
غسل نظافت
جائز نہیں البتہ استنجاء کے ضمن میں کرلے تو حرج نہیں (۷)
نماز جنازہ کے لئے
مستقل اس کے لئے نکلنا جائز نہیں اعتکاف فاسد ہو جائے گا (۸)
اذان دینے کے لئے
جائز ہے اگرچہ غیر معتکف موجود ہو کیونکہ اذان کا تعلق مسجد سے ہے (۹)
جمعہ کے لئے
جائز ہے جبکہ اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو مگر شرط ہے کہ بقدر ضرورت ہی باہر ٹھہرا رہے (۱۰)
کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھونے کے لئے
مسجد ہی میں کسی برتن میں دھولینا چاہئے (۱۱) البتہ اس کے لئے نکلا تو اعتکاف فاسد نہیں ہونا چاہئے
مریض کی عیادت یا کسی کی تعزیت کے لئے
جائز نہیں اعتکاف فاسد ہو جائے گا (۱۲)
فائدہ: جاننا چاہئے کہ یہ تمام مسائل امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہیں یعنی بلا عذر مسجد سے نکلتے ہی اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے جبکہ صاحبینؒ کے مسلک کے مطابق اگر نصف یوم سے زیادہ باہر نہ رہے تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا (البحر: ۲/ ۵۲۹) لہٰذا مجبوری کی حالت میں صاحبینؒ کے مسلک پر عمل کیا جاسکتا ہے مگر عام حالات میں امام اعظمؒ کے مسلک کے مطابق ہی مسئلہ بتانا چاہئے (رحیمیہ: ۵/ ۲۱۱، تحفۃ الألمعی: ۴/ ۱۸۲)
نوٹ: مسائل شجرہ کے حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں

شجرہ(۹): عبادات مالیہ کا بیان
جس کے پاس
نصاب نامی ہو
حکم
زکوۃ واجب ہے
صدقۃ الفطر واجب ہے
قربانی واجب ہے
حج واجب ہے (اگر اس کے موافق خرچہ ہو)
نادار رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہے
زکوۃ لینا جائز نہیں
سوال کرنا حرام ہے
نصاب غیر نامی ہو
حکم
صدقۃ الفطر واجب ہے
قربانی واجب ہے
حج واجب ہے (اگر موافق مال ہو) پس زائد زمین وغیرہ بیچ کر حج میں جائے
نادار رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہے
زکوۃ لینا جائز نہیں
سوال کرنا حرام ہے
ایک بھی نصاب نہ ہو البتہ ۲۴ گھنٹے کا گذارا ہو
حکم
مذکورہ کوئی چیز واجب نہیں
زکوۃ لینا جائز ہے
سوال کرنا حرام ہے
۲۴ گھنٹے کا گذارا بھی نہ ہو
حکم
مذکورہ کوئی چیز واجب نہیں
زکوۃ لینا جائز ہے
سوال بھی بقدر حاجت جائز ہے
فائدہ: سونا چاندی اور کرنسی یہ مطلقاً مال نامی ہے، اس کے علاوہ مال واسباب میں اگر تجارت کی نیت ہو تو وہ مال نامی ہے ورنہ غیر نامی۔ تفصیل کتاب الزکوۃ میں ملاحظہ فرمائیں
مسائل هذه الشجرة كلها مأخوذة من تحفة الألمعي: ۵۱۷/۲

شجرہ (۱۰): جنایات حج کا بیان
جنایت
خوشبو استعمال کرنا
بدن پر
کپڑے پر
کھانے میں
پینے میں
دم واجب ہوگا اگر خوشبو (مبتلی بہ کی رائے میں) زیادہ ہو، ورنہ صدقہ، گو فوراً دھولیا ہو (۱)
خوشبو ایک دن تک باقی رکھی تو دم، اس سے کم ہو تو صدقہ۔ اور لگاتے ہی فوراً دھولیا تو کچھ واجب نہیں (۲)
کھانا خوشبو ڈالنے کے بعد پکالیا گیا تو کچھ واجب نہیں اگرچہ خوشبو پھوٹ رہی ہو، ورنہ دم یا صدقہ علی تفصیل القلیل والکثیر (۳)
اگر خوشبو غالب ہو تو دم واجب، ورنہ صدقہ۔ پینے میں پکانے کا اعتبار نہیں بہر صورت جزا واجب ہوگی (۴)
سلا ہوا لباس پہننا - سر و چہرہ ڈھانکنا
ایک دن یا رات کامل یعنی ۱۲ گھنٹے تک پہنا یا ڈھانکا
دم واجب ہوگا (۵)
۱۲ گھنٹے سے کم پہنا یا ڈھانکا
صدقہ واجب ہوگا بقدر صدقۃ الفطر (۶)
ایک گھنٹے سے بھی کم پہنا یا ڈھانکا
ایک دو مشت گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کرے (۷)
ناخن تراشنا
دو تین ناخن تراشے
ہر ناخن کے عوض نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کرے (۸)
ایک ہاتھ یا پیر کے تمام ناخن تراشے
دم واجب ہوگا (۹)
آگے صفحہ پر
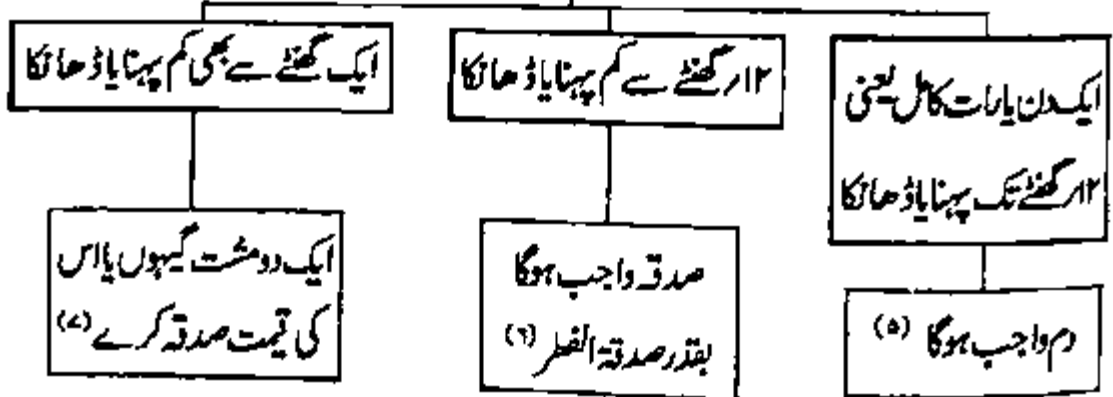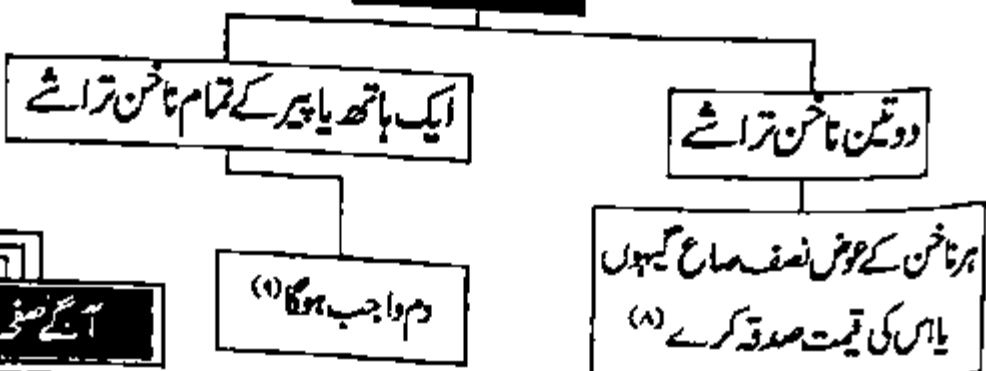
پچھلے صفحہ کا
بال کاٹنا
ایک سے تین بال تک
تین بال سے زائد مگر چوتھائی عضو سے کم
چوتھائی عضو یا زائد کے بال
ہر بال کے عوض ایک مشت گیہوں یا قیمت صدقہ کرے (۱۰)
صدقہ کرے، بقدر صدقۃ الفطر (۱۱)
دم واجب ہوگا (البتہ وہ بال جو عادتاً کاٹے نہیں جاتے ہیں مثلاً سینہ پنڈلی وغیرہ کے بال ان میں دم نہیں آتا ہے بلکہ صدقہ ہے خواہ پورے عضو کے بال کاٹ لئے) (۱۲)
جماع کرنا
دواعی جماع یعنی بوس و کنار وغیرہ
جماع حقیقتاً یعنی دخول فی القبل والدبر
حج فاسد نہ ہوگا لیکن اگر انزال ہوگیا تو دم واجب ہوگا (۱۳)
قبل العرفۃ
بعد العرفۃ
حج فاسد ہو جائے گا حاجیوں کی طرح ارکان ادا کرتا رہے اور اگلے سال پھر سے حج کرے اگرچہ یہ حج نفل ہو کیوں کہ نفل عبادت شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے (۱۴)
حج فاسد نہ ہوگا البتہ احرام میں جماع حرام ہے (۱۵)
شکار کرنا
وحشی جانور کا یعنی جو جانور فطرتاً انسان سے بھاگتا ہو مثلاً ہرن، بھیڑیا وغیرہ
غیر وحشی جانور مثلاً بکری وغیرہ کا
جائز نہیں، جانور کی قیمت کے بقدر صدقہ واجب ہوگا (۱۶)
کوئی حرج نہیں جائز ہے (۱۷)
فائدہ: دم سے مراد بکری (حرم میں) ذبح کرنا ہے اور صدقہ سے مراد صدقۃ الفطر کی مقدار صدقہ ہے یعنی تقریباً پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت فقراء کو خیرات کرے۔
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (۱۱): اسباب حرمت نکاح
اسباب حرمت
۱ نسب
۲ مصاہرت
۳ رضاعت
۴ حق للغیر
اصول یعنی باپ دادا اوپر تک
فروع یعنی بیٹی، پوتی، نواسی، پرپوتی نیچے تک
بھائی بہن اور ان کی اولاد نیچے تک
حقیقی پھوپھی اور خالہ اسی طرح باپ یا ماں کی حقیقی پھوپھی اور خالہ (لیکن ان سب کی اولاد سے نکاح حلال ہے)
بیوی کے اصول یعنی مرد کی ساس خواہ بیوی سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو محض نکاح سے ہی دائمی حرمت آجائے گی
بیوی کے فروع یعنی اس کی بیٹی اور پوتی نیچے تک بشرطیکہ بیوی سے دخول کر لیا ہو
اپنے اصول (یعنی باپ دادا) اور فروع (یعنی بیٹے پوتے) کی بیویاں
مزنیہ (جس عورت سے اس نے زنا کیا ہو) کے اصول و فروع
رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول یعنی رضاعی دادی، پردادی، نانی اور پرنانی اوپر تک
رضاعی اولاد اور ان کے فروع نیچے تک
رضاعی بہن اور اس کی اولاد
رضاعی خالہ اور پھوپھی
رضاعی باپ اور بیٹے کی بیوی
جیسے غیر کی منکوحہ ہونا
غیر کی معتدہ ہونا خواہ عدت وفات میں ہو یا عدت طلاق میں
حاملہ ثابت النسب ہونا، کیونکہ وہ غیر کی منکوحہ یا عدت طلاق یا عدت وفات میں ہوگی (زنا سے جو حاملہ ہو اس سے نکاح درست ہے البتہ وضع حمل تک وطی جائز نہیں مگر یہ کہ ناکح خود ہی زانی ہو)
۵- جمع بین المحارم
۶- دین سماوی کا نہ ہونا
۷ تنافی کا ہونا
جیسے پھوپھی بھتیجی یا دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں لانا وغیرہ
جیسے مجوسیہ یا مشرکہ ہونا وغیرہ
جیسے آقا کا اپنی باندی سے اور آقانی کا اپنے غلام سے نکاح کرنا (البتہ آزاد کرنے کے بعد نکاح جائز ہے)
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (۱۲): اقسام الطلاق واحکامھا
طلاق
طلاق بائن
طلاق رجعی
بائن مغلظہ
بائن مخففہ
صریح (صاف لفظوں) میں ایک یا دو طلاق دینا
صریح الفاظ میں ایک دو طلاق دی پھر عدت میں رجوع نہیں کیا
کنایہ الفاظ میں طلاق دی مثلاً تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں، تو مجھ سے جدا ہے وغیرہ۔ اس میں وقوع طلاق کے لئے نیت یا دلالت حال ضروری ہے ورنہ طلاق نہ ہوگی
حکم
عدت میں رجوع کرنا جائز ہے نکاح کی ضرورت نہیں، بعد عدت یہ طلاق بائن ہو جائے گی، اب حلت کے لئے نکاح ضروری ہوگا
حکم
عدت ہو یا عدت کے بعد دوبارہ نکاح سے عورت حلال ہو جائے گی، حلالہ کی ضرورت نہیں
تین طلاق صریح الفاظ میں دی، خواہ ایک ہی جملہ میں یا الگ الگ جملوں میں اور خواہ ایک ہی مجلس میں دی یا مختلف مجالس میں
کنایہ لفظ سے طلاق دی اور اس میں تین طلاق کی نیت کی
ایک طلاق بائن دی اور نکاح کر لیا پھر ایک طلاق دی اور نکاح کر لیا پھر ایک طلاق دی اس طرح تین مکمل کر لی
ایک طلاق صریح دی اور رجوع کر لیا پھر ایک طلاق دی اور رجوع کر لیا پھر ایک طلاق دی اس طرح تین طلاق پوری کر لی
حکم
ان چاروں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ اب عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی، بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہو سکتی اور مستقل حلالہ بلا شدید مجبوری کے حرام ہے
مسائل هذه الشجرة كلها ماخوذة من هنديه بحر شامي ملتقطاً من كتاب الطلاق.
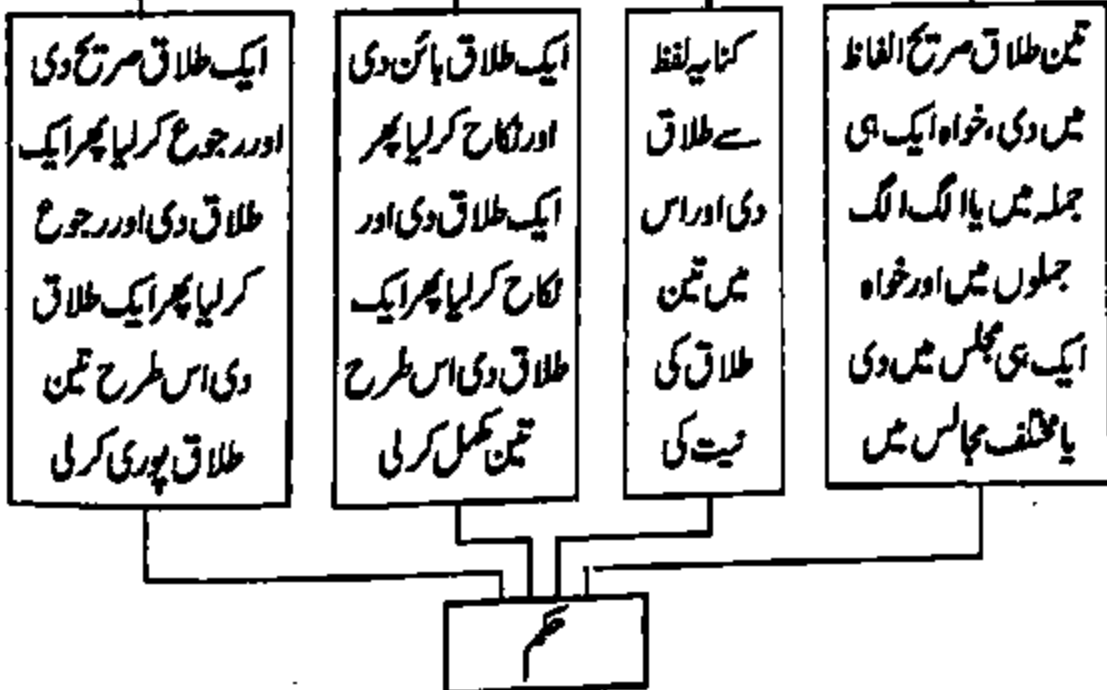
حوالجات شجرات

حوالجات شجرہ (۲): حیض کا خون

(۱) الدرالمختار:۱/۲۹۸،ملتقی الابحر:۱/۸۲.

(۲) لو انقطع دمها دون عادتها يكره قربانها وإن اغتسلت حتى يمضى عادتها وعليها أن تصلي وتصوم للاحتياط (ہندیہ:۱/۳۹،الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار:۱/۲۹۰)

حوالجات شجرہ (۳): نفاس کا خون

(۱) فتاوی رحیمیہ:۳/۱۲،امداد الفتاوی:۱/۸۲۔

(۲،۳) شامی:۱/۲۹۸-بدائع:۱۵۷۔

(۴) لو انقطع دمها دون عادتها يكره قربانها وإن اغتسلت حتى يمضى عادتها وعليها أن تصلي وتصوم للاحتياط(ہندیہ:۱/۳۹،الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار:۱/۲۹۰)

حوالجات شجرہ (۵): سجدئہ سھو

(۱) لوكررها(أى الفاتحة)فى الأ ولیین يجب عليه سجود السهو بخلاف مالو اعادها بعد السورة أو كررها فى الأخريين (ہندیہ:۱/۱۲۶،الدروالشامی:۲/۱۵۲)

(۲) إذا ترك الفاتحة فى الأولیین أو إحداهما يلزمه السهو...... وإن تركها فى الأخريين لايجب إن كان فى الفرض وإن كان

فی النفل او الوتر یجب علیہ (ہندیہ:۱/۱۲۶)

(۳) ومنھا التشھد فإذا ترکہ فی القعدۃ الأولی أو الأخیرۃ وجب علیہ سجود السھو (ہندیہ:۱/۱۲۷)

(۴) ولوکررالتشھد فی القعدۃ الأولی فعلیہ السھو وکذا لو زاد علی التشھد علی الصلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم(ہندیہ:۱/۱۲۷،حاشیۃ الطحاوی:۲۵۱) والصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ فی الصلاۃ، ای فی قعود اخیر مطلقاً وکذا فی قعود أول فی النوافل غیر الرواتب (شامی:۲/۲۳۰)

(۵) ولو تشھد فی قیامہ قبل قرأۃ الفاتحۃ فلا سھو علیہ وبعدھا یلزمہ سجود السھو وھو الأصح، لأن بعد قرأۃ الفاتحۃ محل قرأۃ السورۃ فإذا تشھد فیہ فقد اخر الواجب وقبلھا محل الثناء کذا فی التبیین،ولو تشھد فی الأخریین لایلزمہ السھو کذا فی المحیط(ہندیہ:۱/۱۲۷،البحر:۲/۱۷۲)

(۶و۷) ولو قرأ آیۃ فی الرکوع أوالسجود أو القومۃ فعلیہ السھو ولو قرأ فی القعودإن قرأ قبل التشھد فی القعدتین فعلیہ السھو لترک واجب الابتداء بالتشھد أول الجلوس وإن قرأ بعد التشھد فإن کا ن فی الأول فعلیہ السھو لتاخیر الواجب وھو وصل القیام بالفراغ من التشھد وإن کا ن فی الأخیر فلا سھو علیہ لعدم ترک واجب لأنہ موضع لہ فی الدعاء والثناء بعدہ فیہ القرأۃ تشتمل علیھما (حاشیۃ الطحطاوی:۲۶۱،ہندیہ:۱/۱۲۷،کبیری:۳۹۸،البحر:۲/۱۷۲)

(۸) ومن سھا عن القعدۃ الأولی ثم تذکر وھو إلی حال القعود أقرب عاد فجلس وتشھد وإن کان إلی حال القیام أقرب لم

يعد ويسجد للسهو الخ(الكتاب للقدورى على هامش اللباب : ۱/۱۰۳-۱۰۴)

(۹) ومن سها عن القعدة الأخيرة فقام إلى الخامسة رجع إلى القعدة مالم يسجد والغى الخامسة ويسجد للسهو وإن قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه وتحولت صلاته نفلاً.(الكتاب للقدورى على هامش اللباب :۱/۱۰۴)

(۱۰) وإن قعد في الرابعة قدر التشهد ثم قام ولم يسلم يظنها القعدة الأولى عاد إلى القعود مالم يسجد في الخامسة ويسلم وإن قيد الخامسة بسجدة ضم إليها ركعة أخرى وقد تمت صلاته والركعتان له نافلة وسجد للسهو(الكتاب للقدورى على هامش اللباب :۱/۱۰۳-۱۰۴)

حوالجات شجره (۲): مفسدات صلوة

(۱) أطلقه فشمل العمد والنسيان والخطاء والقليل والكثير لإصلاح صلاته او لا، عالما بالتحريم أو لا...... سواء سمع غيره أو لا (البحر:۲/۳)

(۲) وكذا يفسدها كل ماقصد به الجواب......(الدرالمختار علی ہامش ردالمختار:۲/۳۷۹) ولوقال عند رؤية الهلال" ربى وربك الله" تفسد صلاته عند ابى حنيفة ومحمد رحمه الله تعالىٰ (ہندیہ:۱/۹۹)سمع اسم الله تعالى فقال جل جلاله او النبى صلى الله عليه وسلم فصلى عليه أو قرأة الامام ،فقال :صدق الله ورسوله تفسد إن قصد جوابه (درمختار)إن أراد جوابه تفسد وكذا لولم يكن له نية لأن الظاهر أنه أراد به الاجابة(شامی:۲/۳۸۰)

(۳) ولو لدغته عقرب فقال بسم الله تفسد صلاته عند أبی حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى. وقيل لاتفسد لأنه ليس من كلام الناس وفی النصاب وعليه الفتوی وكذا فی البحر..مريض صلی فقال عند قيامه أو عند الحطاطه بسم الله لما يلحقه من المشقة والوجع لاتفسد صلاته وعليه الفتوی (ہندیہ:۱/۹۹)

(۴) والبكاء بصوت يحصل به حروف لوجع أو مصيبة ...... إلا لمريض لايملك نفسه تن أنين وتأوه، لأنه حينئذ كعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وإن حصل حروف للضرورة، لاالذكر جنة أو نار (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۳۷۸،البحر:۲/۳-۶)

(۵) وأكله وشربه مطلقاً ولو سمسة ناسيا (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۸۲)ولو سمسة ناسيا ومثله ماأوقع فی فيه قطرة مطر فابتلعها كما فی البحر (شامی:۲/۳۸۳)

ولايبتلع المصلی مابين اسنانه ای يكره ذالك إن كان قليلاً دون قدر الحمصة وإن كان كثيراً زائداً علی قدر الحمصة فإن صلوته تفسد (کبیری:۳۰۶،ہندیہ:۱/۱۰۲)

(۶) كما لو مشی قدر صفين دفعة واحدة......أما إن كان إمام فجاوز موضع سجوده......وإن كان منفرداً فالمعتبر موضع سجوده(شامی:۲/۳۸۸) مشی مستقبل القبلة هل تفسد إن قدرصف ثم وقف قدر ركن ثم مشی ووقف كذالك وهكذا لاتفسد وإن كثر مالم يختلف المكان(درمختار)ای بأن خرج من المسجد أو تجاوز الصفوف لو الصلاة فی الصحراء فحينئذ تفسد (شامی:۲/۳۸۸)

حوالجات شجرہ (۷): مفسدات صوم

(۱) ہندیہ:۱/۲۰۳، درمختار:۳/۳۶۸، شامی:۳/۳۹۴

(۲) شامی:۳/۳۷۳

(۳،۴) وإذا قبل امرأته وأنزل فسد صومه من غير كفارة -ولو مس المرأة اوثيابها فأمنى فإن وجد حرارة جلدهافسد وإلافلا (ہندیہ:۱/۲۰۴)

(۵) وإذا نظر إلى امرأة بشهوة في وجهها أو فرجها كرر النظر أولا، لايفطر إذا انزل (ہندیہ:۱/۲۰۴)

(۶) ولو أدخل إصبعه في استه أو المرأة في فرجها لايفسد صومه وهو المختار إلا إذاكا نت مبتلة بالماء أو الدهن.الخ (ہندیہ :۱/۲۰۴-درمختار:۳/۳۶۹)

(۷) والحاصل الاتفاق على الفطر بصب الدهن وعلى عدمه بدخول الماء ، واختلف التصحيح في ادخاله(شامی۳/۳۶۷ (البحرالرائق:۲/۲۸۷)

(۸) حاشیۃالطحطاوی :۶۷۲.

(۹) أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه (درمختار)...... وكذا لو بزق فوجد لونه في الأصح(شامی:۳/۳۶۶)

(۱۰) ہندیہ:۱/۲۰۳

(۱۱) مستفاد: نظام الفتاویٰ:۱۳۳، احسن الفتاویٰ:۴/۴۳۲، امداد الفتاویٰ:۲/۱۳۵

حوالجات شجرہ (۸): مفسدات اعتكاف

(۱) الدرالمختار:۳/۴۳۲

(۲) وقيل يخرج بعد الغروب للأكل والشرب وينبغي حمله على

مإذا لم يجد من يأتي له به فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية (شامی:۳/۴۴۰)

(۳) رحیمیہ: ۵/۲۰۲، رشیدیہ، کامل: ۴۶۱۔

(۴) فإن خرج ساعة بلا عذر فسد لوجود المنافى ......وأراد بالعذر مايغلب وقوعه كالمواضع اللتى قدمها والالو اريد مطلقه لكان الخروج ناسيا أو مكرها غير مفسد لكونه عذرا وليس كذالك بل هو مفسد كما صرحوا به (البحر:۲/۵۲۹)

(۵و۶) احسن الفتاوی: ۴/۵۰۷۔

(۷) مستفاد: احسن الفتاوی: ۴/۵۰۷-۵۱۲، تحفۃ الالمعی: ۳/۱۸۲۔

(۸) ولايخرج لعيادة مريض ولالصلاة جنازة...... وصلاة الجنازة ليست بفرض عين بل فرض كفاية تسقط عنه بقيام الباقين بها فلا يجوز ابطال الاعتكاف لأجلها......ويجوز أن تحمل الرخصة على مإذا كان خرج المعتكف لوجه مباح كحاجة الانسان أو للجمعة ثم عاد مريضاً أو صلى على جنازة من غير أن كان خروجه لذالك قصداً،وذالك جائز (بدائع:۲/۲۸۴)

(۹) ولو صعد المئذنة لم يفسد بلا خلاف وإن كان باب المئذنة خارج المسجد . .والمؤذن وغيره فيه سواء (ہندیہ: ۱/۲۱۲)

(۱۰) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۴۳۶، البحر الرائق: ۲/۵۲۷۔

(۱۱) احسن الفتاوی: ۳/۵۰۱۔

(۱۲) بدائع الصنائع: ۲/۲۸۴۔

حوالجات شجره (۱۰): جنايات حج

(۱و۲) وفي اللباب: لايشترط بقاء الطيب في البدن زمانا لوجوب الجزاء

ويشترط ذالك في الثوب، فلو اصاب جسده طيب كثير فعليه دم وإن غسل من ساعته وينبغي أن يامر غيره فيغسله،وإن أصاب ثوبه فحكه أو غسله فلا شيء عليه وان كثر، وإن مكث عليه يوما فعليه دم وإلا فصدقة اه.(منحة الخالق:۵/۳) وفي أقل من ساعة قبضة من برّ(شامی:۵۷۷/۳)

(۳) ولو كان الطيب في طعام طبخ وتغير فلا شيء على المحرم في أكله سواء كان يوجد رائحته أو لا.وإن خلطه بما يؤكل بلا طبخ فإن كان مغلوبا فلا شيء عليه غير أنه إن وجدت معه الرائحة كره وإن كان غالبا وجب الجزاء (ہندیہ:۲۴۱/۱،شامی:۳/ ۵۷۲،تاتارخانیۃ:۵۰۶/۲)

(۴) معلم الحجاج:۲۶۹،کراچی،غنیۃ الناسک:۲۴۷۔

(۵،۶،۷)أو لبس مخيطا لبسا معتادا......يوما كاملاأوليلة كاملة وفي الأقل صدقة اى نصف صاع من بر (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار:۳/ ۵۷۷) و..في اقل من ساعة قبضة من برّ(شامی:۵۷۷/۳)(معلم الحجاج:۲۷۳)

(۸) ولوقلم ثلاثة أظافير من يد واحدة أو رجل واحدة تجب عليه الصدقة ولكل ظفر نصف صاع من حنطة ......وكذالك لو قلم من كل عضو من الأعضاء الأربعة أربعة أظافير تجب عليه الصدقة ......الخ(ہندیہ:۲۴۴/۱،تاتارخانیہ:۵۰۳/۲)

(۹) وإن قص يدا أو رجلا فعليه دم لأن للربع حكم الكل (اللباب في شرح الكتاب :۱۸۲/۱)

(۱۰،۱۱) وإن نتف من رأسه أو انفه أو لحيته ثلاث شعرات ففي كل شعر

(۱۲) كف من طعام ......ان نصف الصاع إنما هو في الزائد من الشعرات الثلاث(غنية الناسك :۲۵٦)(وإنما كان حلق ربع الرأس او ربع اللحية موجبا للدم (البحر:۱۵/۳) في المبسوط ......ثم الأصل بعد هذا أنه متى حلق عضوا مقصودا بالحلق من بدنه قبل أوان التحلل فعليه دم،وإن حلق ماليس بمقصود فعليه صدقة ثم قال : ومما ليس بمقصود :حلق شعر الصدر والساق، ومما ليس بمقصود :حلق الراس والإبطين . .الخ(تاتارخانیہ:۵۰۱/۲،شامی:۵۸۰/۳)

(۱۳) الجماع فيما دون الفرج واللمس والقبلة بشهوة لاتفسد الحج والعمرة أنزل أو لم ينزل وعليه دم......الخ (ہندیہ:۲۴۴/۱)...... واشترط في الجامع الصغير الانزال، وصححه قاضيخان في شرحه(شامی:۵۸٦/۳)

(۱۴و۱۵) ومن جامع في أحد السبيلين من آدمي قبل الوقوف بعرفة فسد حجه ووجب عليه شاة أو سبع بدنة ويمضي وجوبا في فاسد الحج كمايمضي من لم يفسد الحج ووجب عليه القضاء فورا ولو حجه نفلا لوجوبه بالشروع......ومن جامع بعد الوقوف بعرفة قبل الحلق لم يفسد حجه ووجب عليه بدنة (اللباب :۱۸۳/۱،شامی:۵۹۲/۳)

(۱٦) وحقيقة الصيد حيوان ممتنع متوحش بأصل الخلقة ...... فدخل الظبي المستأنس وإن كانت ذكاته بالذبح، وخرج البعير والشاة إذا استوحشا وإن كانت ذكاته بالعقر......الخ (البحرالرائق :۴٦/۳) والجزاء قيمة الصيد......الخ (ہندیہ:۲۴۷/۱-۲۴۸)

(۱۷) فلايحرم على المحرم ذبح الإبل والبقر والغنم لأنها ليست

بصيد لعدم الامتناع وعدم التوحش من الناس......الخ (بدائع الصنائع:۲/۳۲۷)

شجره (۱۱): ساباب حرمة النكاح

(۱) حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم......إلى آخر الآية (سورۃ نساء، آیت۲۳، رکوع۱۲)

(۲) (مصاهرة)كفروع نسائه المدخول بهن وإن نزلن، وأمهات الزوجات وجداتهن بعقد صحيح وإن علون وإن لم يدخل بالزوجات وتحرم موطوئات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنى، والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح ، وموطوئات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا ولو بزنى،ولمعقودات لهم بعقد صحيح ......الخ (شامی:۴/۱۰۰)

(۳) يحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعاً حتى أن المرضعة لوولدت من الرجل أو غيره قبل هذا الإرضاع أو بعده أو أرضعت رضيعاً أو ولد لهذا الرجل من غير هذه المرأة قبل هذا الإرضاع أو بعده أو أرضعت إمرأة من لبنه رضيعاً فالكل إخوة الرضيع وأخواته وأولادهم أولاد إخوته وأخواته وأخو الرجل عمه وأخته عمته وأخو المرضعة خاله وأختها خالته وكذا في الجد والجدة وتثبت حرمة المصاهرة في الرضاع حتى أن امرأة الرجل حرام على الرضيع وامرأة الرضيع حرام على الرجل وعلى هذا القياس (ہندیہ:۱/۳۴۳)

(۴) لايجوزللرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذالك المعتدة ......

سواء كان لت العدة عن طلاق او وفاة او دخول في نكاح فاسد او شبهة نكاح (ھندیہ:۱/۲۸۰،زکریا)

صح نكاح حبلى من زنا لاحبلى من غيره......وإن حرم وطؤها ودواعيه حتى تضع ......نكحها الزانى حل له وطؤها اتفاقاً (درمختار)قوله حبلى من غير الخ شمل الحبلى من نكاح صحيح ......الخ (شامی:۴/۱۴۱)

(۵) عن أبى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لايجمع بين المراة وعمتها ولايجمع بين المراة وخالتها (بخاری:۲/۷۶۶)

(۶) ولاتنكحوا المشركات حتى يؤمن ...... إلى آخر الآية (سورۃ البقرۃ،آیت۲۲۱،رکوع۱۱)

(۷) ولايجوز للمراة تتزوج عبدها ولاالعبد المشترك بينها وبين غيرها وإذا اعترض ملك اليمين على النكاح يبطل النكاح بان ملك أحد الزوجين صاحبه......الخ (ھندیہ:۱/۲۸۲،زکریا)

قال المؤلف عفى الله عنه:قد تم الجزء الأول بعون الله تعالىٰ وتيسيره وأسأل اللهتعالىٰ أن يتقبل هذا الكتاب وينفع به عباده المؤمنين وصلى الله تعالىٰ على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم آمين.